نصرۃ میگزین

ستمبر/اکتوبر ۲۰۲۰ | شمارہ ۵۷

فوجی و عوامی
بالادستی کی بحث

کشمیر کو آزاد کرانے کی غیر موجود خواہش

مسلمانوں کا مسلمانوں کے خلاف لڑنا کب جائز ہے

"واحد قومی نصاب" ہمارے بچوں کے اذہان کو زہر آلود کرنے کی سازش

نصرة میگزین / شمارہ 57

نومبر / دسمبر 2020 بمطابق ربیع الاول / ربیع الثانی 1441 ہجری

مضمون پر براہ راست جانے کے لئے فہرست کے لنک پر براہ کرم کلِک کریں

اس شمارے میں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قانون کی حاکمیت اور بالا دستی	اداریہ	4
تفسیر سورۃ البقرۃ 208-210	شیخ عطاء بن خلیل ابو الرَشتہ	8
اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کیلئے ہماری محبت۔۔۔	مصعب عمیر	21
اسلام: نسل پرستی کے مرض کی دوا	خلیل مصعب	32
مسئلہ فلسطین کے دوریاستی مغربی حل۔۔۔	بلال المہاجر	38

کشمیر کو آزاد کروانے کی غیر موجود خواہش	خالد صلاح الدین	47
ترکی کس طرح بحیرۂ روم میں موجود کشیدگی۔۔۔	عبد الماجد بھٹی	53
رجب طیب اردوگان کی پالیسیاں اسلام کے پیمانے میں	حامد عبد العزیز	57
آجکل مسلمانوں کے درمیان ہونے والی جنگوں۔۔۔	استاد شایف صالح	71
"واحد قومی نصاب"(SNC) ہمارے بچوں کے اذہان۔۔۔	حزب التحریر	90
کانفرنسوں، مظاہروں، اور سیمینارز کے متعلق۔۔۔	سوال وجواب	102
اجماع وہ حدیث ہے جو صحابہ نے روایت نہیں کی	سوال وجواب	115
سودی لین دین کرنے والے شخص سے تنخواہ۔۔۔	سوال وجواب	118
مہم :صرف خلافت ہی مقبوضہ کشمیر کی آزادی ۔۔۔ میڈیا آفس ولایہ پاکستان		124

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قانون کی حاکمیت اور بالادستی

دنیا بھر میں اس وقت ایک فکری و نظریاتی (آئیڈیالوجیکل) خلاء موجود ہے جو مغربی دنیا کے ساتھ ساتھ مسلم دنیا میں بھی واضح ہے اور جس میں پاکستان بھی شامل ہے۔ انسان کا بنایا ہوا قانون اور نظام، جسے ہمارے دور میں سیکولر اور لیبرل ڈیموکریسی کہا جاتا ہے، اس وقت اپنی زبردست ناکامی کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بن رہا ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے قانون کی وجہ سے حکمران اشرافیہ کے چند لوگوں کے ہاتھوں میں دولت کا زبردست ارتکاز ہو چکا ہے۔ دولت کے اس ارتکاز میں سرمایہ داریت اور کرپشن دونوں نے کردار ادا کیا ہے۔ سوئس بینک یو بی ایس (UBS) کی رپورٹ کے مطابق اس سال اپریل اور جولائی کے درمیانی عرصے میں دنیا کے امیر ترین افراد کی دولت 27.5 فیصد اضافے کے ساتھ بڑھ کر 102 کھرب ڈالر پر پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ 7 اکتوبر 2020 کو عالمی بینک کی رپورٹ میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ پچھلی دو دہائیوں میں پہلی بار شدید غربت میں اضافہ ہونے جا رہا ہے۔ دولت کی تقسیم کو ٹھیک کرنے کے لیے اب خدمت خلق کے کاموں اور امیر افراد پر بھاری ٹیکس لگانے کے لیے اصلاحات کی پکار بلکہ انقلاب کے نعرے بلند ہو رہے ہیں جس میں خلافت کے قیام کا مطالبہ بھی شامل ہے۔ مسلم دنیا میں خلافت کے قیام کا مطالبہ جس شدت سے اب سامنے آ رہا ہے ایسا پہلے کبھی نہ تھا۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ جمہوریت کا دعوٰی کہ وہ "لوگوں کی اور لوگوں کے لیے" (of the

people, for the people) ہے بالکل جھوٹ ہے۔ قانون سازی حکمران اشرافیہ کی طاقت ہے اور اس کے ذریعے وہ اپنے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔ حکمرانہ اشرافیہ کو قانون سازی میں بالادستی حاصل ہے اور اس طبقہ کو یہ مقام اپنی زبردست دولت اور قانون سازی کے اختیار کی وجہ سے حاصل ہے۔ حکمران اشرافیہ ہی وہ واحد طبقہ ہے جس کے پاس اس قدر دولت موجود ہے کہ وہ انتہائی مہنگی انتخابی مہم چلا سکے اور اپنے مرضی کے لوگوں کو قانون ساز اسمبلیوں میں بھیج سکے۔ اس حقیقت کا ادراک حالیہ امریکی صدارتی اور کانگرس اور سینٹ کے انتخابات کو دیکھ کر کیا جاسکتا ہے۔ اس مرحلے سے گزر کر اسمبلیوں میں پہنچنے والے منتخب قانون ساز ایسے قوانین کی منظوری کو یقینی بناتے ہیں جو ان کو یا ان کی مالی مدد کرنے والوں کو فائدہ پہنچائے اور اس طرح حکمران اشرافیہ کی حاکمیت اور بالادستی یقینی بنتی ہے۔ پاکستان میں بھی سیاسی و فوجی حاکمیت و بالادستی کا تنازعہ حکمران اشرافیہ میں موجود گروہوں کی آپس میں محض اقتدار کی جنگ ہے جو اپنے مفادات کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے باریاں لگاتے ہیں۔

سیکولر اور لبرل ڈیموکریسی کا ماڈل جو اب ناکام ہو رہا ہے کا اصل انسان کو قانون سازی کا اختیار تفویض کرنا ہے۔ اس نظام میں کیا چیز قانونی ہے اور کیا غیر قانونی، اس کا تعین انسانی ذہن کرتا ہے جو کہ محدود صلاحیتوں کا مالک ہے اور جو انسان کی خواہشات اور رجحانات سے متاثر ہوتا ہے۔ انسان کے قانون سازی کے اختیار نے حکمران اشرافیہ کو یہ موقع فراہم کر رکھا ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفادات کے حصول کے لیے قوانین بنا سکیں یا ان میں تبدیلی کر سکیں۔ انسان کا

قانون بنانا ہی وہ مسئلہ ہے جس پر قانون ساز جون ڈیلبرگ ایکٹون (John Dalberg–Acton) نے کہا تھا، "طاقت کرپٹ کرتی ہے اور مکمل طاقت مکمل طور پر کرپٹ کر دیتی ہے"۔

مغربی دنیا کے برخلاف جمہوریت مسلمانوں کے لیے لازم و ملزوم نہیں۔ مغربی دنیا نے چرچ کے قانون اور اس کی حاکمیت اور بالادستی کا جو خوفناک دور دیکھا اس نے مغرب کو مذہب کی بالادستی و حاکمیت کے تصور کا باغی بنا دیا۔ لیکن مغربی دنیا کے برخلاف مسلم دنیا نے اسلام کے نظام حکمرانی خلافت، کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قانون کی بالادستی و حاکمیت کا بہت عظیم و شاندار دور دیکھا ہے، لہٰذا دین کی حکمرانی کے حوالے سے مسلم دنیا کا تجربہ مغربی دنیا سے یکسر مختلف ہے۔ جمہوریت میں "انسان کے بنائے ہوئے قانون کی حاکمیت حکمران اشرافیہ کے لیے" ہوتی ہے جبکہ خلافت میں "اللہ کے قانون کی حاکمیت لوگوں کے لیے" ہوتی ہے۔ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے اس کا تعین و فیصلہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کر چکے ہیں، اور اس طرح سے اسلام میں اہلِ اقتدار پر قانون سازی کے دروازے بند کیے جا چکے ہیں۔

لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قانون کی حاکمیت میں صاحبِ اقتدار اپنے مفاد کے لیے کبھی بھی قانون میں تبدیلی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ صرف اور صرف قرآن و سنت سے اخذ شدہ قوانین کو نافذ کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قانون کی حاکمیت میں صاحب اقتدار پر بھی اللہ ہی کا قانون لاگو ہوتا ہے اور مقدمات کا سامنا کرنے سے اسے کسی قسم کا استثناء حاصل

نہیں ہوتا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ، العلیم و الحکیم، کے قانون کی حاکمیت میں اسلامی معیشت اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ معاشرے میں دولت کا ارتکاز نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ تقسیم ہو۔ کئی صدیوں تک خلافت نے اپنے تمام شہریوں کو مذہب سے قطع نظر اعلیٰ میعار زندگی فراہم کیا جس میں مفت صحت و تعلیم کی سہولیات بھی شامل تھیں۔ یقیناً اسلامی امت کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس کے پاس اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا قانون موجود ہے۔ موجودہ عالمی سیاسی خلاء نہ صرف نبوت کے نقش قدم پر خلافت کے دوبارہ قیام کے لیے سنہری موقع ہے بلکہ پوری انسانیت کے سامنے اسلام کو ایک متبادل نظام کے طور پر پیش کرنے کا بہترین موقع ہے وہ انسانیت جو آج انسان کے قانون کے بوجھ تلے کچلی جارہی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ "بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور (ہر چیز سے) آگاہ ہے"** (الملک، 67:14)۔

ختم شد

تفسیر سورۃ البقرۃ : آیت 207-204

فقیہ اور مدبر سیاست دان ،امیر حزب التحریر، شیخ عطا بن خلیل ابوالرَشتہ کی کتاب

تیسیر فی اصول التفسیر سے اقتباس:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۞ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴾(208 -210)

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کی پیروی مت کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ واضح دلائل تمہارے پاس آنے کے بعد بھی اگر تم لغزش کرتے ہو تو جان لو کہ اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ کیا یہ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس آئیں اور سارا قصہ ہی ختم ہو اور یہ سارے امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے"

ان آیات کریمہ سے یہ واضح ہوتا ہے:

1۔ یہود میں سے بعض نومسلم اس غلط فہمی میں تھے کہ اگر وہ تورات کے بھی کچھ حصوں پر ایمان باقی رکھیں تو اس سے ان کے ایمان کو کوئی نقصان نہ ہوگا، اللہ نے ان کے لیے وضاحت نازل کی کہ ایمان میں داخل ہونے کا تقاضا ہے کہ اسلام میں جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر پورا پورا ایمان لایا جائے، کفر کے عقائد کو ترک کیا جائے، اس میں سے کسی چیز کو باقی نہ رکھا جائے، چاہے وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو،اورایساکرنا مومنوں کے کھلے دشمن شیطان کی پیروی ہوگی، اس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ بھی نازل ہوا اس پر پورا ایمان لانا لازمی ہے اوراس کے سوا کفر ادیان کی ہر چیز کو ترک کرنا ضروری ہے۔

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا)"اے ایمان والو"ان لوگوں سے خطاب ہے جنہوں نے کفر کو ترک کرکے اسلام قبول کیا۔

(ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً)"پورے پورے سِلم میں داخل ہوجاؤ"یعنی پورے اسلام میں داخل ہوجاؤ۔

لفظ (سلم)سے مراد اسلام ہے جیسا کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر کی اور پورے اسلام سے مقصود اس پر مکمل ایمان اورکسی اور چیز کے علاوہ اس کی شریعت پر مکمل عمل ہے۔

(كافة) (السلم) کے لیے حال ہے یعنی مکمل سلم اور پورا اسلام۔كافة اصل میں اسم

فاعل (كاف)سے ہے جو کہ لفظ کف سے ہےیعنی مانع ، منع۔ یہ کہنا کہ (هذا الشئ كاف)کے معنی ہے اس کے اجزاء میں کوئی نقص نہیں، گویا کہ آپ نے مجازاً کہا کہ(هذا الشئ جميعه او كله) "یہ چیز سب کی سب یا پوری"سببیت کے تعلق کے ساتھ۔ پھر(تا) کو اسم فاعل سے جوڑا گیا تا کہ اس کو فاعلیت سے اسم کی طرف لایا جائے یعنی(كف) سے(كافة) کی طرف،جو" سب کے سب اور پورے کے پورے "کے معنی میں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا :یہ عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ وہ جب نبی ﷺ پر ایمان لائے تو آپ ﷺ کی شریعت پر تو ایمان لائے مگر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی بعض چیزوں پر بھی ایمان باقی رکھا چنانچہ وہ ہفتے کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی اونٹ کے گوشت اور دودھ سے نفرت کرتے تھے، مسلمانوں نے اسے ناپسند کیا اور کہا کہ :ہم تو ان چیزوں سے طاقت حاصل کرتے ہیں،عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی نبی ﷺ سے سابقہ شریعت کی بعض چیزوں پر عمل پیرا رہنا چاہتے تھے تو اللہ نے یہ آیت اتاری۔

یعنی جو اسلام میں داخل ہو اسے پورے اسلام میں داخل ہونا چاہیے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی شریعت باقی ہی نہیں رہی، اسلام نے اپنے علاوہ تمام شرائع کو منسوخ کر دیا۔ جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایاہے:وَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا

عَلَيْهِ ۖ "(یہ کتاب)اپنے سے پہلے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان پر غالب آنے والی" ہے(مائدہ-48) یعنی انہیں منسوخ کرنے والی ہے، اس لیے سابقہ شریعتوں کی کسی ایسی چیز کو برقرار رکھنا جسے اسلام نے برقرار نہ رکھا ہو شیطان کی پیروی ہے، کیونکہ کہا گیا:وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ"اور شیطان کی پیروی مت کرو یقینا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

2۔ آیت کریمہ میں(السلم) دشمن سے مسالمت(صلح) کرنے کے معنی میں لینا درست نہیں کیونکہ(السلم) کے معنی "اسلام" بھی ہے اور"مسالمت" بھی یعنی اس کے ایک سے زیادہ معانی ہیں، لہذا یہ ایک مشترک لفظ ہے یعنی متشابہ، دونوں میں سے ایک معنی کو اختیار کرنا مقصد ہے، جسے ان آیاتِ محکمات سے متعلق قرائن کو دیکھ کر اختیار کیا جائے گا۔

اگر(السلم) کو یہاں مسالمت کے معنی میں لیا جائے تو آیت کے معنی یہ ہوں گے "دشمن کے ساتھ مکمل مسالمت کرو "اور یہ امر وجوب(فرضیت) کے لیے ہے جس کا قرینہ "شیطان کی پیروی مت کرو"ہے یوں دشمن سے مسالمت کرنا مومنوں پر فرض ہوجائے گا جبکہ یہ قتال کو فرض قرار دینے والی محکم آیات سے متناقض ہے جن میں کفار سے اس وقت تک قتال کوفرض قرار دیا گیا ہے جب تک لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے یا جزیہ ادا کرکے اسلام کے احکام کے سامنے جھکنے سے اسلام تمام ادیان پر

غالب نہ آجائے، جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ "اور ان سے قتال کرو تاکہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین مکمل اللہ کا ہی ہوجائے"(الانفال-39) اور فرمایا:قَاتِلُوا الَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلاَ يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنْ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ "ان لوگوں سے اس وقت تک قتال کرو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ اور رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو دین کے طور پر اختیار نہیں کرتے جب تک وہ ذلیل ہوکر جزیہ ادا نہ کریں"التوبہ29 ۔ اسی طرح حدیث(الجهاد ماض الى يوم القيامة) " جہاد قیامت تک جاری رہے گا "یہ سب کفار کو اسلام کے احکام کے سامنے جھکانے اور اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے کفار سے قتال کے جاری رہنے پر دلیل ہے، اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اس آیت میں(السلم) اسلام کے معنی میں ہے،دشمن سے مسالمت کے معنی میں نہیں کیونکہ اس صورت میں مذکور دشمن سے قتال کے بارے میں محکم آیات کے ساتھ تناقض ہوگا لہذا آیت میں اس کے معنی کا تعین ہوگیا کہ اس سے مراد اسلام ہے، اس کا معنی ہے اسلام میں مکمل اور پورا پورا داخل ہوجاؤ۔

3۔ رہی بات اس(السلم) جو قرآن میں(مسالمے)یعنی صلح کے معنی میں آیا ہے تو یہ دو آیتوں میں آیا ہے، ایک الانفال میں دوسرا سورہ محمد ﷺ،دونوں پر غور کرنے سے اس حالت کا علم ہوتا ہے جس حالت میں(السلم) بمعنی(مسالمه)ہے:

ا۔ سورہ انفال کی آیت "اگر یہ صلح کے لیے جھک جائیں تو تم بھی اس کے لیے جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو وہی سننے والا علم والا ہے "اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کفار مسالے(صلح) کی پیشکش کریں تو ہم بھی قبول کریں اور اس حوالے سے اللہ پر بھروسہ رکھیں، اس میں اللہ پر توکل اور اعتماد کو پیش کردہ مسالے کو قبول کرنے پر عطف کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان اپنی قوت کے بل بوتے پر اسے قبول کرتے ہیں اس بات کا اظہار اس سے قبل والی آیت سے ہوتا ہے، جہاں اللہ نے فرمایا ہے: الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لاَ يَتَّقُونَ o فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ o وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ الْخَائِنِينَ oوَلاَ يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لاَ يُعْجِزُونَ o وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ"جن لوگوں کے ساتھ آپ معاہدے کرتے ہیں پھر وہی ہر بار عہد شکنی کرتے ہیں اور وہ پاکباز نہیں، اگر تم جنگ میں ان پر قابو پالو تو ان کے ذریعے ان کے پیچھے والوں کو مار بھگادو شاید وہ نصیحت حاصل کریں، اگر تمہیں کسی قوم کی جانب سے خیانت کا خوف ہو تو ان کا عہد برابری سے ان کو لوٹادے یقینا اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا، کفار یہ گمان نہ کریں کہ وہ آگے نکل گئے یقینا وہ ہمیں عاجز نہیں کرسکتے، اور تیاری کرو ان کے مقابلے میں مقدور بھر قوت اور

پلے ہوئے گھوڑوں سے تاکہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں اپنے دشمنوں اور ان کے علاوہ لوگوں کو جن کو تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے کو دہشت زدہ کرسکو، تم اللہ کی راہ میں جو بھی خرچ کرتے ہو اس کا تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا "(الانفال 56 تا60)۔

یعنی کفار سے اس قدر شدید قتال کرو کہ جو بھی دشمن اس کے بارے میں سنیں ان کے دلوں میں خوف اور رعب داخل ہو کہ وہ اس قتال کے ان تک پہنچنے سے قبل ہی اس کی ہولناکی سے بھاگ کھڑے ہوں، یہ سب ظاہری اور پوشیدہ دشمنوں کے دلوں میں قوت کا رعب جمانے کے لیے ہے۔

دشمن پر اس قدر کاری ضرب لگانے کے بعد اگر وہ دشمن تباہ ہونے اور گرنے کے بعد مسالمت کی پیشکش کرے تو اس کی اس پیشکش کو قبول کرو کیونکہ اس صورت میں عملا وہ سر تسلیم خم کرچکا ہوگا اور اس کی شان و شوکت ٹوٹ چکی ہوگی۔

ب۔دوسری آیت سورہ محمد ﷺ میں ہے: فَلاَ تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمْ الأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ "خوفزدہ ہوکر مسالمے کی دعوت مت دو تم ہی غالب رہو گے اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے اعمال کو برباد نہیں کرے گا"(محمد۔35)

یہ دشمن سے مسالمت کرنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ مسالمت میں

ذلت اور رسوائی ہے، مومن ہی سربلند ہیں کیونکہ اللہ ان کے ساتھ ہے، مسالمت نہ کرنے اور دشمن کے خلاف ثابت قدمی سے قتال کرنے پر ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

یوں ان دونوں آیتوں میں قرآن نے دشمن کے ساتھ مسالمے کا یہ خلاصہ کیا"اگر وہ مسالمت کے لیے جھکیں"،" تم خوفزدہ ہوکر مسالمت کا مطالبہ مت کرو "، مسالمت کا حکم یہ ہے کہ یہ اس وقت جائز ہے جب:

پہلا :اگر مسلمانوں کی قوت اور کامیابی کی وجہ سے دشمن کمزوری اور شکست کی وجہ سے مسالمے کی پیشکش کرے۔

دوسرا :اگراس میں مسلمانوں کی عزت اور ان کی کامیابی ہو، دشمن کی ذلت اور ناکامی ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ میں اس اجمال کو واضح کردیا:

ا۔عمرہ کے لیے نکلنے سے قبل رسول اللہ ﷺ نے یہ جان لیا تھا کہ خیبر کے یہود رسول اللہ ﷺ کے خلاف قتال کے لیے قریش سے اتحاد قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور قریش کو غیر جانبدار کرنا رسول اللہ ﷺ کی جیت ہوگی۔یہی وجہ ہے کہ مدینہ لوٹنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو پہلا کام کیا وہ خیبر پر حملہ اور اس کا خاتمہ تھا۔کیونکہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کے ذریعے آپ ﷺ قریش کو خیبر کا اتحادی

بننے سے باز رکھنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب آپ ﷺ مدینہ واپس آرہے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا "بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کردی"(سورہ فتح-1) چنانچہ پہلے صلح حدیبیہ، پھر خیبر کی فتح رسول اللہ ﷺ کے لیے فتح مبین تھا۔اس لیے اس صلح میں مسلمانوں کے لیے عظیم عزت اور کفار کے لیے زبردست کمزوری تھی۔

ب۔عرب قبائل قریش کے خوف سے محمد ﷺ کے دین میں اور عہد میں داخل نہیں ہوسکتے تھے، اس صلح کے ذریعے رسول اللہ ﷺ عرب قبائل کے اس خوف کو زائل کردیا جس کی وجہ سے وہ اسلام لانے سے ڈرتے تھے۔

اسی لیے بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں داخل ہوئے اور بہت ساروں نے اسلام قبول کیا، قریش سے بے خوف ہوکر انفرادی طور پر بھی اور قبائل کی شکل میں بھی، یہی وجہ ہے کہ یہ صلح مسلمانوں کے لیے طاقت اور دین کی سربلندی کا سبب تھی۔

ج۔ دشمن کے ساتھ یہ صلح(مسالمت)وقتی تھی کیونکہ اسلام میں جہاد کو معطل کرنا یا کالعدم کرنا حرام ہے،بلکہ یہ بڑا جرم ہے جس پر مذکورہ نصوص دلالت کرتے ہیں جنہیں ہم نے اوپر ذکر کیاہے۔

د۔یہ صلح ان حربی کافروں کے ساتھ وقتی طور پر تھی جن کا اقتدار انہی کی

زمین تک محدود تھا یہ کسی ایسی قوت کے ساتھ نہیں تھی جس نے مسلمانوں کی زمین پر قبضہ کیا ہو اس لیے یہ ان کی جانب سے غصب کرنے کو تسلیم کرنا نہیں تھا، صلح حدیبیہ قریش کے کفار کے ساتھ تھا، ان کی ریاست اس زمین پر تھی جسے اس وقت مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تھا، بلکہ مسلمانوں کی جانب سے اسے فتح کرنے تک وہ انہی کے اقتدار کے ماتحت تھی، جبکہ کسی ایسی قوت کے ساتھ صلح جس نے مسلمانوں کی زمین پر قبضہ کیا ہو جیسا کہ فلسطین پر قبضہ کرنے والے یہود، تو ان سے صلح جائز نہیں کیونکہ یہ مسلمانوں کی سرزمین پر کفار کے اقتدار کو تسلیم کرنا ہے، یہ سورۃ الانفال اور سورۃ محمد کی آیتوں اور صلح حدیبیہ کے خلاف ہے۔

اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بیان کی گئی ان شرائط کے بغیر دشمن سے صلح (مسالمت) بالکل جائز نہیں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ صلح حدیبیہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے قریش کو غیر جانب دار کرکے خیبر کے یہود کے خلاف قتال کے لیے فارغ ہونے کے لیے تھی، اس کے باوجود درباری علماء یہود کے ساتھ صلح اور اس کے ساتھ حالت جنگ کو ختم کرنے کے لیے اس صلح سے استدلال کرتے ہیں!!

یہاں یہ واضح ہوگیا کہ قرآن میں جس (السلم) بمعنی دشمن کے ساتھ مسالمت کا ذکر ہے وہ اس وقت تک حرام ہے جب تک اس میں اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ نہ ہو، دشمن کی کمزوری اور اس کی شان وشوکت کا توڑ نہ ہو، وہ وقتی طور پر ہو وہ ایسے دشمن کے

ساتھ ہو جس نے مسلمانوں کی زمین پر قبضہ نہ کیا ہو تاکہ اس میں ان کے قبضے کو تسلیم کرنا نہ ہو، یہی سورہ الانفال سورہ محمد کی آیتوں اور صلح حدیبیہ کا خلاصہ ہے۔

4۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالی نے یہ بتایا کہ اگر وہ پورے پورے اسلام میں داخل نہ ہوئے اور سابقہ شریعتوں کی کسی ایسی چیز پر کاربند رہے جسے اسلام نے برقرار نہ رکھا ہو تو وہ اپنے آپ کو اللہ کے غضب اور سزا میں پھنسادیں گے، خاص طور پر جب ان کو واضح دلائل سے معلوم ہوچکا ہو کہ "صرف اسلام ہی حق ہے" جبکہ سابقہ ادیان تحریف شدہ اور تبدیل شدہ ہیں "جو اسلام کے علاوہ دین اختیار کرے گا اس کی طرف سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا" (آل عمران-85) اسلام کے آنے کے بعد اس کے علاوہ کوئی شریعت قابل قبول نہیں۔

"اگر تم پھسل گئے" یعنی اگر پورے کے پورے اسلام میں داخل ہونے سے پہلو تہی کی، لفظ **الزلل** کی اصل تو گرنا ہے مگر مجازی معنی مراد لیا جائے گا۔

"جان لو اللہ غالب اور حکمت والا ہے" یعنی اللہ اپنے امر میں غالب ہے کوئی چیز اسے انتقام سے عاجز نہیں کرسکتی ہے، وہ حکیم ہے ناحق سزا نہیں دیتا، یہ اس کا منطوق (لفظی معنی) ہے جبکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم نے پورے پورے اسلام میں داخل ہونے سے پہلو تہی برتی تو اللہ تمہیں شدید ترین عذاب دے گا جس کے تم مستحق ہوگے۔

5۔"کیا یہ دیکھ رہے ہیں" استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی یہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔**"مگر یہ کہ آئے ان کے پاس" یعنی یہ کہ ان کو سزا دینے کا امر ربی آئے، یہ اضمار کے ذریعے مجازی اسناد کے قبیل سے ہے اوراللہ کے اس فرمان کی طرح ہے اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ"یا پھر تیرے رب کا حکم آئے"(النحل-33)اور فَجَآءَهَا بَاْسُنَا"ان کو آلیا ہمارے عذاب نے"(الاعراف4) جیسے عرب امیر کے ایلچی یا حکم کے پہنچنے پر کہتے ہیں"امیر پہنچ گیا" یہ مجاز بالاضمار کے قبیل سے ہے۔**

اس لیے"مگر یہ کہ اللہ بادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئے" سے مراد ہے اللہ کا حکم بادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئے، کیونکہ(فی) یہاں(مع - ساتھ) کے معنی میں ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں(اقبل الامیر فی العسکر)"امیر لشکر میں آیا" یعنی " لشکر کے ساتھ آیا" اور(ظلل) ظلۃ کی جمع ہے ہر سایہ کرنے والی چیز۔

لہذا معنی یہ ہو گا کہ "یہ اسلام میں پورے پورے داخل نہ ہوکر صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ کے عذاب کو بادل اور ملائکہ لے آئیں"اس میں میں شدید دھمکی اور بلاغت کی مضبوط صورت ہے، بادل کو عام طور پر رحمت گمان کیا جاتاہے، پس اس کا اپنے ساتھ ان کے لیے عذاب لانا ان کے لیے تیارکیے گئے عذاب کی ہولناکی کی دلیل ہے، اس میں عذاب کے فرشتوں کے ان کی طرف آنے کا بھی

اضافہ کیا جانا معاملے کی سنگینی اور ہولناکی کی مقدار کو واضح کرتا ہے۔

6۔ آخری آیت میں شدید وعید اور سابقہ آیات میں وارد سخت سزا کے مستحق ہونے کی تاکید ہے، مگر یہاں سزا کو صریح الفاظ(منطوق) سے بیان کیا گیا ہے، جبکہ سابقہ آیت میں سزا مفہوم میں بیان کی گئی، پہلی آیت میں ان کو خبردار کیا گیا کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے جو کہ ان کے پھسلنے اور بھٹکنے کے انجام اور اللہ کی طرف سے سزا دینے کا اشارہ ہے، اگرچہ سزا کو صریح الفاظ میں ذکر نہیں کیا گیابلکہ کہاگیا"جان لو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے" جبکہ اگلی آیت میں سزا کی صریح دھمکی ہے"کیا یہ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ اور فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں ان کے پاس آئیں" اسلام میں جزوی داخل ہونے کا ناقابل قبول ہونا اور پورے داخل نہ ہونے والوں کی سزا کی بات اٹل ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ "اور معاملہ فیصل ہوجائےاور ان تمام امور کا معاملہ اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا"۔

ختم شد

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کیلئے ہماری محبت ہمارے خاندان اور ہمارے پیشے سے بڑھ کر ہے

تحریر: مصعب عمیر، پاکستان

آج اس دور میں خاندان کے معاملات، والدین، پڑھائی، کاروبار، تجارت یا مستقبل کو سنوارنے کی کوشش ہمارے لیے اسلامی معاشرے اور دین سے متعلق ذمہ داریوں سے زیادہ اہم ہو گئی ہے۔ ذمہ داریوں کی ترجیحات کے حوالے سے ایسی سوچ کا نتیجہ بہت مہنگا ہے خاص طور پر ایسے وقت میں کہ جب اسلامی امت پر ظلم وستم ہر دور سے بڑھ کر ہو رہا ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ مسلم دنیا کے حکمران استعماری طاقتوں کے کہنے پر ظلم کر رہے ہیں اور اپنے اس عمل کی کوئی وجہ بیان کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ اس امت کے دین، اس کے علاقوں اور وسائل کے خلاف اقدامات ایک ایک کر کے نہیں لیے اٹھائے جا رہے بلکہ امت کے تمام مفادات پر ایک ساتھ حملہ کیا جا رہا ہے۔ بے شک آج ہر مسلمان کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ نبوت کے نقش قدم پر خلافت کے قیام کی جدوجہد میں اپنا پورا پورا حصہ ڈالے۔ لہٰذا ایسا ہر گز نہیں ہونا چاہیے کہ ایک عام شہری جس پر اسلام کی دعوت کی ذمہ داری ہے وہ اس عمل سے کوتاہی کا مظاہرہ کرے، اور گھر کی ذمہ داریوں کو عذر کے طور پر پیش کرے۔ اسی طرح ایسا بھی ہر گز نہیں ہونا چاہیے کہ ایک فوجی افسر جس کی جانب سے اسلام کو ایک ریاست کی صورت میں قائم کرنے کے لیے نُصرۃ فراہم کرنا لازمی ہے، وہ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں ناکام رہے اس بنا پر کہ وہ اپنی پیشہ وارانہ ذمہ

داریوں میں بہت مصروف رہتا ہے۔

یقیناً انسان فطری طور پر اپنے خاندان کی دیکھ بھال اور اپنے مستقبل کو سنوارنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ رجحان انسان میں موجود جبلت کی وجہ سے ہے جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسان میں تخلیق کیا ہے۔ انسان میں جبلت نوع موجود ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی اولاد اور اپنے والدین سے پیار کرتا ہے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح انسان میں جبلت بقاء بھی موجود ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی پڑھائی، کاروبار یا مستقبل کو سنوارنے کی کوشش کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے۔ جبلت میں ایک قوت موجود ہوتی ہے جو اسے اپنے اہداف کو حاصل کرنے اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے کی طرف دھکیلتی ہے۔ یہی وہ جبلتیں ہیں جن کی وجہ سے ایک انسان اُس وقت کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے جب اسے اپنی ذاتی ذمہ داریوں اور ضروریات سے بڑھ کر معاشرے کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے کہا جاتا ہے۔ مغربی دنیا کہ جو ہدایت سے محروم ہے میں کام اور زندگی میں توازن، کوالٹی ٹائم اور معاشرے کے لیے وقت نکالنے کی ضرورت پر بہت بحث ہوتی ہے۔ لیکن ذاتی ذمہ داریوں اور معاشرے کے حوالے سے ذمہ داریوں کے درمیان موجود یہ تنازعہ اس لیے حل نہیں ہو پاتا کیونکہ انسانوں کی بنائی ہوئی مغربی طرزِ زندگی جہاں ایک جانب ناقص ہے تو دوسری جانب نامکمل بھی ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے حل مسئلے کو اس انداز سے حل نہیں کرتے کہ جس سے اطمینان اور سکون حاصل ہو جائے۔ لہٰذا لوگ احساس جرم، پچھتاوے، پریشانی اور ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے سامنے ذاتی اور

معاشرتی ذمہ داریوں کی ایک فہرست ہوتی ہے اور وہ ان کی ادائیگی کے درمیان توازن قائم رکھنے میں ناکام رہتے ہیں۔

لیکن مسلمانوں کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رہنمائی اور ہدایت حاصل ہے، جس نے انسان اور اس کی جبلتوں دونوں کو تخلیق کیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علم اور دانائی کی کوئی حد نہیں۔ الحمد اللہ اسلام ایک مکمل ہدایت و رہنمائی کے طور پر موجود ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جو زندگی اور اس کی ذمہ داریوں کے درمیان توازن کا تعین کرتا ہے۔ یہ وہ واحد دین ہے جو اس دنیا سے پہلے کی حقیقت یعنی ماقبل اور اس دنیا کے بعد کی حقیقت یعنی مابعد کے ساتھ اس دنیا کی زندگی کا تعلق مضبوطی سے قائم کرتا ہے۔ اس طرح سے اسلام ان لوگوں کو ایک مکمل اور جامع ہدایت فراہم کرتا ہے جو سیکولرازم کی گمراہی کا شکار ہو چکے ہیں۔ ایک ہدایت یافتہ روشن خیال شخص وہ ہے جو اس زندگی کا تعلق اس حقیقت سے جوڑ سکتا ہے جو حقیقت اس زندگی سے پہلے گزر چکی اور جو حقیقت اس زندگی کے بعد آنے والی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اسلام نے خاندان، تجارت اور کاروبار کی جانب انسان میں موجود جھکاؤ کو محض اس کی جبلتوں کے حوالے نہیں کر دیا بلکہ اسلام زندگی میں خاندان، تجارت اور کاروبار کے مناسب مقام کے متعلق واضح تصور کے لحاظ سے جبلتوں کو ڈھالتا ہے اور اس بات کا تعین کیا ہے کہ اسلام اور جہاد کی نسبت سے ان کی حیثیت کیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى**

يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ "کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور کنبے اور وہ مال جو تم کماتے ہو اور تجارت کہ جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنہیں پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا" (التوبۃ، 9:24)۔ تو اس آیتِ کریمہ کے مطابق والدین، اولاد، بیوی، گھر، تجارت اور کاروبار کی محبت اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر مقدم نہیں ہونی چاہیے، یعنی پہلی ترجیح اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا دین ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے یہ محبت فرض ہے۔ محبت ایک میلان یا جھکاؤ ہے جو انسان کی نفسیت کو ایک شکل دیتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ایک شرعی تصور سے منسلک ہے جو اسے ایک فرض قرار دیتا ہے۔ الازھری نے کہا، "ایک خدمت گزار کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کی اطاعت کرتا ہے اور ان کے احکامات کی پیروی کرتا ہے"۔ بیضاوی نے کہا، "محبت اطاعت کرنے کے ارادے کا نام ہے"۔ ابن عرفہ نے کہا ہے، "عربوں کے زبان میں محبت کا مطلب کسی کام کو سیدھے طریقے سے کرنا ہے"۔ زجاج نے بیان کیا ہے، "انسان کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت یہ ہے کہ وہ ان کی اطاعت کرے اور اللہ نے جو حکم دیا ہے اور جسے رسول اللہ ﷺ نے پہنچایا ہے اسے قبول کرے"۔ اس طرح اس میلان یا جھکاؤ کو اسلام نے ایک خاص شکل دی ہے۔ خاندان اور مستقبل کو سنوارنے کی جبلی خواہش پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بندگی کی خواہش غالب آجاتی ہے اور انسان اسلام کی ذمہ داریوں کو

ادا کر پاتا ہے۔ اسلام نے والدین، اولاد، خاندان، تجارت اور کاروبار کے حوالے سے فرائض کا تعین کیا ہے۔ اسلام نے اس شخص کی تعریف کی ہے جو صلہ رحمی میں لگا رہتا ہے۔ اسلام نے دیانتداری سے کام کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ جس حد تک ممکن ہو ایک شخص کاروبار اور لین دین کے معاہدوں کو پورا کر سکے۔ لیکن مسلم امت پر صرف ان معاملات ہی کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی۔ مسلم امت ایک منفرد امت ہے جس پر پوری انسانیت تک اسلام کی ہدایت پہنچانے کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا، لہٰذا اسلام کی دعوت کو اٹھانے کی ذمہ داری اس امت پر عائد ہوتی ہے۔ مسلم امت وہ بہترین امت ہے جسے انسانیت کی بھلائی کے لیے لایا گیا ہے کیونکہ وہ اچھائی اور نیکی کے کاموں کا حکم دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے۔ یہ مسلم امت ہی ہے جو اسلام کو ایک طرز زندگی کے طور پر نافذ کرتی ہے تا کہ پوری انسانیت کے لیے مثال قائم ہو سکے۔ یہ مسلم امت ہی ہے جو دنیا کو ایک زبردست دعوت کے ذریعے اسلام قبول کرنے کا پیغام دیتی ہے۔ جب لوگ دعوت سے آگاہی کے بعد اسلام کی جانب میلان کا اظہار کرتے ہیں تو یہ مسلم امت ہی ہوتی ہے جو ان پر مسلط حکمرانوں کو اپنی افواج کے جہاد کے ذریعے ہٹاتی ہے۔ یہ عمل اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ ان پر اسلام کا عملی نفاذ ہو سکے۔ ایک مسلمان صرف اپنے خاندان یا تجارت کی ذمہ داریوں تک ہی محدود نہیں ہوتا۔ اس کی سوچ اس سے بہت زیادہ وسیع ہوتی ہے اور یہ وسعت اسلام کے نفاذ، اس کی دعوت اور جہاد کی خواہش کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ وہ طاقتور مقصد حیات ہے جو ایک مسلمان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنے خاندان اور تجارت سے وقت نکالے تا کہ اپنی زندگی اور جوانی کا بہترین وقت اور توانائی اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور

اس کے رسول ﷺ کے لیے قربان کرے۔ ایک مسلمان اسلامی طرز زندگی کی بحالی، اسلام کی دعوت کو مضبوط کرنے اور جہاد کو دوبارہ جاری کرنے کے کام کو ترجیح دیتا ہے تاکہ اسے عالمی سطح پر منظم کیا جاسکے۔

اسلامی تہذیب نے اپنی صدیوں پر محیط تاریخ میں پے در پے ایسی شخصیات پیدا کی ہیں جو معاشرے اور دنیا میں تبدیلی لانے کا باعث بنیں۔ اس تہذیب نے ہر مسلمان کی شخصیت کی تعمیر اس انداز سے کی کہ وہ اسلامی معاشرے اور اپنے دین کے لیے فکرمند ہوتا تھا، اور یہ فکرمندی اسے اس بات پر مجبور کرتی تھی کہ وہ اپنی ذاتی خواہشات اور مقاصد کو پس پشت ڈال کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے کام کرے۔ لہٰذا صحابہؓ کے سنہری دور میں اور اس کے بعد بھی اسلام نے ایسی شخصیات پیدا کیں جنہوں نے اسلام کے لیے غیر معمولی خدمات سرانجام دیں۔ اسلامی تہذیب نے ایسے کاروباری حضرات پیدا کیے جو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے تھے، جنہوں نے اپنے دور کو اور اس کے بعد کے ادوار کو تبدیل کر دیا۔ اسلامی تہذیب نے ایسے فوجی جرنیل پیدا کیے جو اپنے اس فرض سے آگاہ تھے کہ ان کا کام صرف دشمن سے لڑنا نہیں بلکہ لڑائی سے قبل اسلام کی دعوت کو بھی ان تک پہنچانا ہے۔ آئیں ہم ان دونوں باتوں پر غور کریں تاکہ ہم اپنے موجودہ دور میں اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

عام شہریوں کو ایک تاجر اور عالم، امام ابو حنیفہؒ کی مثال پر غور کرنا چاہیے۔ ابو حنیفہؒ ایک ماہر تاجر تھے اور ان کا کاروبار بہت منافع بخش تھا۔ ان کا رزق اس قدر کشادہ تھا کہ انہوں نے اپنے

طلباء کے مالی معاملات کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے رکھی تھی اور ان کا "وظیفہ" لگا رکھا تھا تا کہ وہ پوری توجہ سے ان سے دین کا علم سیکھ سکیں۔ اپنے کاروبار کے علاوہ امام ابو حنیفہ نے اسلام کی تعلیمات اور اس کے احکامات کے علم میں انتہائی مہارت حاصل کی۔ امام ابو حنیفہ نے خود کو علم حاصل کرنے کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ مقدمہ حاشیہ ابن عابدین میں لکھا ہے، رأى الإمام أبو حنيفة غلامًا يلعب بالطين ، فقال له: يا غلام ، إياك والسقوط في الطين, فقال الغلام للإمام إياك أنت من السقوط ، لأن سقوط العالِم سقوط العالَم "امام ابو حنیفہ نے ایک بچے کو کیچڑ کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو انہوں نے اس سے کہا: اے لڑکے، کیچڑ میں گرنے سے خبر دار رہو۔ بچے نے امام کو جواب دیا: اور آپ بھی کیونکہ ایک عالم کا گرنا تو پوری دنیا کا گرنا ہے" ابن عابدین پھر بیان کرتے ہیں، فكان أبو حنيفة لا يفتي بعد سماع هذه الكلمة إلا بعد مدارسة المسألة شهرًا كاملاً مع تلامذته "یہ سننے کے بعد امام ابو حنیفہ کبھی بھی اس وقت تک فتویٰ جاری نہیں کرتے تھے جب تک ایک مسئلے کو پورے ایک مہینے تک اپنے طلباء کے ساتھ سمجھنے کی کوشش نہ کر لیں"۔

اپنے طلباء کو تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ امام ابو حنیفہؒ نیکی کے حکم اور برائی سے روکنے کی ذمہ داری سے بھی پوری طرح آگاہ تھے، لہٰذا وہ اس بات کو یقینی بناتے تھے کہ حکمران اسلام کی سیدھی راہ پر چلتے رہیں۔ امام ابو حنیفہ نے اپنے طالب علم، ابو یوسف، کو خبر دار کرتے ہوئے کہا تھا، كن من السلطان كما أنت من النار، تنتفع بها وتتباعد عنها، ولا تدنُ منها؛ فإنك تحترق وتتأذى منها؛ فإن السلطان لا يرى لأحد ما يرى لنفسه "سلطان سے ایسے خبر دار رہو جیسے تم آگ سے رہتے ہو، تم اس کے پاس جائے بغیر اس

سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے مگر تم اس کے قریب نہیں جا سکتے ورنہ وہ تمھیں جلا دے گی اور نقصان دے گی، سلطان اس کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتا سوائے اس کے جو وہ اپنے لیے دیکھنا چاہتا ہے"۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا، إذا رأيتم العالم يرتاد أبواب السلاطين فاتهموه في دينه "اگر تم عالم کو حکمرانوں کے دروازے پر جاتا دیکھو تو اس کے دین پر الزام لگاؤ"۔

یقیناً امام ابو حنیفہ کا ذہانت پر مبنی یہ موقف اس وجہ سے تھا کہ وہ حکمرانوں کی قربت سے اجتناب برتنا چاہتے تھے کیونکہ طبرانی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«إِيَّاكُمْ وَأَبْوَابَ السُّلْطَانِ، فَإِنَّهُ قَدْ أَصْبَحَ صَعْبَاً هَبُوطَاً»** "حکمرانوں کے دروازوں سے خبردار رہو کہ وہ شدید ٹھوکر کا سبب بنتے ہیں"۔ امام ابو حنیفہ اپنے دور کے حکمران کا کڑا محاسبہ کرتے تھت، اور یہ وہ وقت تھا جب خلافت قائم تھی اور حکمرانی اسلام کی بنیاد پر ہو رہی تھی۔ تو پھر موجودہ دور کے متعلق کیا خیال ہے جب خلافت موجود ہی نہیں اور مسلم علاقوں پر کفر کی بنیاد پر حکمرانی ہو رہی ہے؟ آج ان لوگوں کو کیا کرنا چاہیے جو عظیم امام ابو حنیفہ کی فقہ کی پیروی کرتے ہیں؟ وہ کیسے خاموش رہ سکتے ہیں جب حکمران سود کے ذریعے معیشت کو تباہ کر رہے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی دعوت دے رہے ہیں؟ وہ کیسے خاموش رہ سکتے ہیں جب مقبوضہ کشمیر مدد کے لیے چیخ چیخ کر پکار رہا ہے لیکن جہاد کے ذریعے اس کی آزادی کے لیے مسلم افواج کو حرکت میں نہیں لایا جا رہا؟ جس وقت دین کو اجتماعی زندگی سے نکال دیا گیا ہو تو اس وقت مساجد کا قیام کس طرح دین کے قیام و نفاذ کا متبادل ہو سکتا ہے؟

آج کے مسلم فوجی افسران کو حضرت خالد بن ولیدؓ کی زندگی پر غور کرنا چاہیے۔ دنیا بھر کے فوجی جرنیل حضرت خالدؓ کی ذہانت اور فوجی حکمت عملی اور داؤ پیچ میں تخلیقی صلاحیت کی وجہ سے عزت کرتے ہیں۔ حضرت خالدؓ نہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے میں ثابت قدم تھے بلکہ وہ اسلام کی دعوت پیش کرنے کی بھی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ یرموک کی جنگ کے دوران، ایک رومی کمانڈر جارج اپنے سپاہیوں کی قطاروں میں سے نکل کر سامنے آیا اور خالد بن ولیدؓ سے ملاقات کی خواہش کی۔ خالدؓ اس سے ملنے آئے اور وہ ایک دوسرے کے اتنے قریب آگئے کہ ان کے گھوڑوں کی گردنیں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں۔ جارج نے کہا، "اے خالد !تم کس بات کی دعوت دیتے ہو؟ خالدؓ نے جواب دیا: اس بات کی گواہی کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور پیغمبر ہیں، اور ہر اس بات کو قبول کرنا جو وہ اللہ سے لے کر آئے ہیں۔ پھر جارج نے پوچھا: جو اس بات کو قبول نہ کرے تو؟ خالدؓ نے جواب دیا: پھر وہ جزیہ دیتے ہیں اور ہم ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ جارج نے پوچھا: اگر وہ یہ نہ دیں؟ خالدؓ نے جواب دیا: پھر ہم ان کے خلاف جنگ کا اعلان کرتے ہیں اور ان سے لڑتے ہیں"۔

عظیم فوجی جرنیل خالدؓ نے اس بات کو بالکل واضح کر دیا کہ ایک مسلم فوجی جرنیل کی دعوت اور جہاد کے حوالے سے کیا ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر ایک علاقے کے لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں، تو ان پر اسلام نافذ کیا جاتا ہے۔ اگر اس علاقے کے لوگ جزیہ دینا قبول کرتے ہیں تو بھی ان پر اسلام نافذ کیا جاتا ہے جبکہ وہ اپنے مذہب پر رہتے ہوئے اسلامی ریاست کے شہری بن

جاتے ہیں اور ریاست ان کی حفاظت کرتی ہے۔ اور اگر وہ نہ اسلام قبول کریں اور نہ ہی جزیہ دیں تو پھر خلافت کی فوج ان کی فوج سے لڑتی ہے یہاں تک کہ خلافت ان پر بالادست ہو کر ان پر اسلام نافذ کر دے تاکہ اسلام کے عملی نفاذ کو دیکھ کر ان کیلئے ااسلام کو قبول کرنا آسان ہو جائے۔ اسلام پر مبنی فوجی تربیت کی وجہ سے حضرت خالدؓ کا علم صرف جہاد کے احکامات تک ہی محدود نہیں تھا۔ ابتدائی مباحثے کے بعد حضرت خالدؓ نے جارج کے ساتھ اسلام کے حوالے سے تفصیلی بات کی جس کے بعد جارج نے اسلام قبول کر لیا اور اس نے خالدؓ سے کہا: "مجھے اسلام سیکھاؤ"۔ لہٰذا خالدؓ اسے اپنے خیمے میں لے گئے، اسے غسل کرایا اور اپنی امامت میں اسے دو رکعت نماز پڑھائی۔ جارج خالد کے ساتھ رومیوں سے مل کر لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ تو یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ خالدؓ صرف سیف اللہ ہی نہ تھے بلکہ وہ اسلام کے قابل داعی بھی تھے۔ حضرت خالدؓ کو یہ نہیں کرنا پڑا کہ وہ جارج کو کسی عالم کے پاس بھیجتے جو انہیں جہاد کے احکام اور اسلام کے عقائد بتاتا اور ان پر عمل کرنا سکھاتا۔ خالدؓ خود ان تمام اہم معاملات میں ضروری معلومات رکھتے تھے۔

تو خالدؓ کے قابل فخر بیٹوں کو خالدؓ کی مثال سے ویسے ہی سبق لینا چاہیے جیسا کہ اس کا حق ہے۔ انہیں غور کرنا چاہیے جب اس وقت مسجد الاقصیٰ اور کشمیر پر کافر طاقتیں قابض ہیں، اور دعوت و جہاد معطل ہے؛ انہیں غور کرنا چاہیے جب وقت ایسا ہے کہ مغرب کے جرنیلوں کے ساتھ تعلقات کی بنیاد یہ نہیں کہ انہیں اسلام کی دعوت پیش کی جائے یا میدان جنگ میں ان کا مقابلہ کیا جائے، بلکہ صورتحال یہ ہے کہ ان سے تعاون کیا جاتا ہے، ان کے ساتھ اتحاد قائم کیا جاتا ہے اور

مشترکہ اعمال کیے جاتے ہیں۔ جنگ میں پیشہ ور ہونا کس طرح ایسے گناہ اور غفلت کو مٹا سکتا ہے؟ کیسے؟ امام احمد اور ابو داؤد سے روایت ہے کہ ابنِ عمر نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: **«إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ بِأَذْنَابِ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُم»** " اگر تم نے عِينَةِ (سود کی ایک قسم) میں کاروبار شروع کر دیا، گائیوں کی دموں کے پیچھے لگ گئے (یعنی کھیتی باڑی شروع کر دی)، زراعت پر قناعت کر کے بیٹھ گئے اور جہاد کو ترک کر دیا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ تم پر ذلت نازل کرے گا اور وہ اُس وقت تک تم سے نہیں ہٹے گی جب تک تم دوبارہ اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ"۔

تو آئیں کہ ہم میں سے ہر ایک، چاہے وہ تاجر ہو یا فوجی افسر، کارپوریٹ ملازم ہو یا عالم، صحافی ہو یا طالب علم، یہ جان لے کہ زندگی میں توازن یہ ہے کہ ایک ہاتھ میں خاندان اور تجارت ہے جبکہ دوسرے ہاتھ میں اسلام کو طرز زندگی کے طور پر بحال کرنے کی جدوجہد، اسلام کے پیغام کو پوری انسانیت تک پہنچانا اور جہاد کرنا ہے۔ ہمیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کے دعوے میں سچا ہونا چاہیے کہ ہماری زندگی دین کے لیے وقف ہو۔ یقیناً اسلام کا سورج طلوع ہوا ہی چاہتا ہے، لہٰذا ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے جدوجہد کی آنچ کو تیز کر دیں۔

ختم شد

اسلام: نسل پرستی کے مرض کی دوا

تحریر: خلیل مصعب، پاکستان

2020ء میں شروع ہونے والی تحریک "سیاہ فاموں کی زندگی بھی وقعت رکھتی ہے" (Black Lives Matter) چوتھے مہینے میں داخل ہو گئی ہے جس کی وجہ سے آنے والے امریکی صدارتی انتخابات کے حوالے سے مختلف خدشات کا اظہار کیا جارہا ہے۔ امریکی شہروں میں سیاہ فام لوگوں کے مظاہرے اور نسلی فسادات اُس وقت شروع ہوئے جب 25 مئی 2020ء کو امریکی سیاہ فام شہری جارج فلوئڈ (George Floyd) کا امریکی پولیس کے ہاتھوں بہیمانہ قتل ہوا اور اس کی ویڈیو وائرل ہو گئی۔ کئی دہائیوں سے ریاستی اداروں کے ذریعے جاری منظم نسل پرستی نے ان فسادات کے پھیلنے میں اہم کردار ادا کیا۔ پسماندہ افریقن-امریکن کمیونیٹیز کے اراکین اور ان کے اتحادی اب امتیازی سلوک اور جبر کے خلاف سڑکوں پر مظاہرے کر رہے ہیں جو ایک عرصے سے امریکہ کو ٹی بی کی طرح چاٹ رہا ہے۔

نسل پرستی کوئی نئی بیماری نہیں ہے۔ اس بیماری نے انسانی اداروں کو کئی صدیوں سے جکڑ رکھا ہے۔ اس کے نتیجے میں کئی مشہور نسل کشی کے واقعات ظہور پزیر ہوئے اور غلامی و سماجی ناانصافی کا نظام قائم ہوا اور کئی جنگیں بھی برپا ہوئیں۔

نسل پرستی کی سب سے بڑی مثال برصغیر پاک و ہند کے مقامی لوگوں کے خلاف برطانوی استعماریوں کا تعصب پر مبنی رویہ اور سلوک تھا۔ یہ برطانوی سامراج تھا جس نے خود کو مقامی لوگوں سے برتر قرار دیا اور اس احساس کو بالکل واضح الفاظ میں برطانوی وزیر اعظم ونسٹن

چرچل نے اس وقت بیان کیا جب اس نے مقامی لوگوں کے لیے "درندہ صفت لوگ"(beastly people) کے الفاظ استعمال کیے۔ یہ اسی کی حکومت تھی جس نے اس سرزمین کی دولت کو لوٹا تھا، اس سرزمین کے غلے سے برطانوی گوداموں کو بھرا تھا اور برصغیر کی معیشت کو برباد کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بدترین غربت سے ہزاروں لاکھوں افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس تمام لوٹ مار کی واضح مثال بنگال کا قحط ہے جس میں 30 لاکھ مقامی افراد موت کا شکار ہو گئے تھے۔ لیکن اس تباہی کی ذمہ داری قبول کرنے کے بجائے وزیر اعظم نے اس تباہی کی ذمہ داری مقامی افراد پر ڈال دی اور یہ دعویٰ کیا کہ "وہ خرگوشوں کی طرح اپنی نسل بڑھا رہے تھے"(they were breeding like rabbits)، گویا آبادی کی زیادتی کی وجہ سے خوارک کی کمی ہو گئی۔

یہ بات واضح ہے کہ نسل پرستی ایسی کوئی چیز نہیں دیتی جو اخلاقیات یا نیکی کا درس دیتی ہو۔ اسلام سختی سے نسل پرستی کی ممانعت کرتا ہے۔ وہ لوگ جو نسل کی بنیاد پر امتیازی سلوک کرتے ہیں، تو ان کے متعلق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **يا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلا لا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلا لأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلا بِالتَّقْوَى إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ "لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، آگاہ ہو جاؤ! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ رنگ والے کو کالے رنگ والے پر اور کسی سیاہ رنگ والے کو سرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، مگر وہ جو زیادہ متقی ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے وہ شخص سب سے زیادہ معزز ہے جو**

سب سے زیادہ پرہیز گار ہے" (بیہقی)۔

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی نسل کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں کیا جبکہ شروع دور کے مسلمانوں میں کئی نسل کے لوگ شامل تھے۔ حضرت بلالؓ حبشہ، افریقہ سے تعلق رکھتے تھے، حضرت سلمان الفارسیؓ ایران سے تعلق رکھتے تھے اور صہیب بن سنانؓ کا تعلق روم سے تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ مختلف قبائل اور خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن اسلام کے عقیدے نے انہیں یکجا کر دیا تھا۔ حقیقت میں اور کوئی ایسا تعلق نہیں ہے جو ایمان والوں کے درمیان موجود اسلام کے تعلق سے مقابلہ کر سکے کیونکہ اس کی بنیاد ذاتی خواہشات یا دنیاوی ذاتی مفادات نہیں ہیں بلکہ اس کی بنیاد اخلاص کے ساتھ، زندگی کے ہر معاملے میں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بندگی کرنا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن میں فرمایا، **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ "مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے"** (الحجرات، 49:10)۔

کوئی بھی ایسا فلسفہ یا تصور جو اس بھائی چارے کے لیے باعثِ خطرہ ہو، اسلام نے اس کی شدید مذمت کی ہے۔ اسلام کے قائم کردہ بھائی چارے کو زبان، نسل یا علاقائی اور سیاسی جماعتوں سے وابستگی کی بنیاد پر تقسیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان تصورات کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان تعلق قائم کرنا زمانہ جاہلیت کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **مَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِّيَّةٍ يَدْعُو عَصَبِيَّةً أَوْ يَنْصُرُ عَصَبِيَّةً فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ "جو کسی کی اندھی تقلید میں**

عصبیت کی طرف بلاتا ہو یا عصبیت کی مدد کرتا ہوا قتل کیا گیا تو وہ جاہلیت (قبل از اسلام) کی موت مرا" (مسلم)۔

وحی سے حاصل ہونے والے ان ثبوتوں سے یہ بات واضح ہے کہ نسل پرستی کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اسلام کی فضیلت یا خوبی در حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ اسلام تعصب کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ کسی بھی ایسی بات یا تصور کو بھی ختم کرتا ہے جو اس جانب لے جا سکتی ہو۔

نسل پرستی تعصب پر مبنی ہے اور یہ ایک فرد میں موجود عدم تحفظ کے احساس سے جنم لیتی ہے جب اسے شناخت کے حوالے سے کسی بحران کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک فرد اس بحران کو ایک خطرے کے طور پر دیکھتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کی جبلت بقاء جاگ جاتی ہے۔ اس طرح ایک فرد اپنی نسلی شناخت پر اصرار کرتا ہے اور وہ اسے اپنے لیے ایک خوبی قرار دیتا ہے اور پھر وہ اُن لوگوں سے کے ساتھ جڑنا شروع ہو جاتا ہے جن میں بھی یہی احساس موجود ہوتا ہے۔

جیسے جیسے نسل پرستی کا تعلق بڑھتا ہے، تو اس کے حامل افراد دوسرے لوگوں سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں کیونکہ وہ انہیں خود سے مختلف سمجھتے ہیں۔ اور یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنی نسلی شناخت کو واضح کر سکیں۔ جو کوئی گروہ اس ایک "خوبی" کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے تو وہ گروہ احساس برتری کا شکار ہو جاتا ہے جس کا اظہار اُن گروہوں کے خلاف جبر اور تعصب کے ذریعے کیا جاتا ہے جو اس گروہ سے مختلف نظر آتے ہوں۔ اس طرح یہ تعلق ایک تباہ کُن تعلق بن جاتا ہے کیونکہ یہ لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کر دیتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے

خلاف انسانیت سے گری ہوئی حرکتیں کرتے ہیں۔

یہ اسلام ہی ہے جو اس بحران کا حل دیتا ہے کیونکہ اسلام ہی اس کو جڑ سے اکھاڑ سکتا ہے۔ اسلام میں یہ بات واضح ہے کہ ایک مسلمان کی شناخت دوسروں پر یا کسی دنیاوی ادارے پر منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کی حفاظت اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قران کے ذریعے کی ہے۔ یہ قرآن ہے جو انسان کی ہر دنیاوی معاملے رہنمائی کرتا ہے، انسان کے مقصد حیات یا اس کی شناخت کے حوالے سے ہر قسم کے شک کو ختم کرتا ہے اور اسے یاد دہانی کراتا ہے کہ قیامت کے دن اس کی بنیادی خصوصیات، جیسا کہ اس کی خوبصورتی، اس کی ذہانت، اس کی طاقت وغیرہ کی تعریف نہیں کی جائے گی، لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نگاہ میں بہترین خصوصیات، نیکی اور تقویٰ ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں قرآن میں یاد دہانی کرائی ہے، **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ** "**لوگو !ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے** "(الحجرات، 49:13)۔ یہاں تک کہ جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں کفر اور اسے تسلیم کرنے والوں سے نفرت کرنے کا حکم دیا، تو اس کے باوجود ہمیں غیر مسلموں کے ساتھ انصاف کے ساتھ معاملات کرنے کا حکم دیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ** "**جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ**

نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے "(الممتحنہ،60:8)۔

اور اسی لیے احمد سے روایت ہے کہ عبد اللہ ابن رواحہؓ نے خیبر کے یہود سے کہا تھا، "اے یہود، میری نظر میں تم سب سے قابل نفرت مخلوق ہو۔ تم نے اللہ عزوجل کے نبیوں کو قتل کیا اور اللہ کے متعلق جھوٹ بولا، لیکن تمہارے لیے میری نفرت مجھے تمہارے ساتھ ناانصافی کرنے پر مجبور نہیں کرے گی"۔

اس طرح اسلام نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ایمان والے اس قدیم اور گھٹیا جذباتی ذہنیت کا شکار نہ ہوں، بلکہ اسلام نے ایمان والے کی ذہنیت، شخصیت اور کردار کی تعمیر اس طرح سے کی ہے کہ اس کا دل جہالت اور تعصب سے پاک ہو جائے۔ اسلام ایمان والوں کو شیطانیت سے محفوظ بناتا ہے اور ان میں صداقت و راست بازی اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے محبت کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور وہ سب کے ساتھ شفاف معاملات کرتے ہیں اور محبت سے پیش آتے ہیں۔

اسلام واضح طور پر ایک مکمل اور سچا دین ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے ایک رحمت ہے۔

#WhatDoesIslamSay

#IslamicYouth

ختم شد

مسئلہ فلسطین کے دو ریاستی مغربی حل کو قبول کرنا اس مسئلہ کے تابوت میں آخری کیل ہے

تحریر: بلال المہاجر

فلسطین کی مبارک سرزمین میں یہودی وجود کا بیج بونے کے بعد سے مسئلہ فلسطین نے مغرب کو اسکے "حل" کے لیے اپنے کسی بھی ویژن کو مسلط کرنے کی کوشش میں تھکا دیا۔ اگرچہ مغرب نے سہولت کے ساتھ یہودی وجود کو قائم کیا اور مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کیے گئے خائن حکمرانوں کے ساتھ گٹھ جوڑ بنا کر اس کی حفاظت کی لیکن اسکے باوجود مغرب یہودی وجود کو مسلط کرنے کے لیے، امت مسلمہ کے پاکیزہ جسم میں اس نجاست کی فطری طریقے سے پیوندکاری میں ناکام رہا۔ مغرب اور اس کے ایجنٹ حکمران عالم اسلام اور مسلمانوں سے اس یہودی وجود کو قبول کروانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور نہ کبھی ہوں گے۔ امت کے جسم میں یہود کی اس سرطانی ریاست کو وجود میں لانے میں ناکامی اور بے بسی کے مظاہر نمایاں ہیں۔ مسئلہ فلسطین سے متعلق سیاسی منظر نامے اور متحرک اطراف پر نظر رکھنے والا شخص مغرب کے ہاں پائے جانے والی اس الجھن کا مشاہدہ کر سکتا ہے جو تمام ممکنات کے ختم ہو جانے کی حد تک پہنچ گئی ہے جس سے مسئلے کے اختتام کے لیے مجوزہ منصوبے میں پیش قدمی میں ناکامی اور خلاء واضح نظر آتا ہے۔

یہ تمام ممکنات کے ختم ہو جانے والی صورتحال ٹرمپ کی قیادت میں نئی امریکی انتظامیہ کے عہد کی ابتدا سے ہی نظر آرہی تھی، جس نے اپنے دور کی شروعات سے ہی مسئلہ فلسطین کے حوالے سے تنازعے کو حل کرنے کے لیے انوکھے اور منفرد حل دینے کے ارادے کا اظہار کیا تھا، جس کو "ڈیل آف سنچری" کا نام دیا گیا اور اس وقت سے ہی متعلقہ فریقین اس ارادے کے نتائج پر نظریں جمائے ہوئے ہیں مگر وہ اب تک امید کی کوئی کرن نہ دیکھ سکے جو اس ڈیل کو امر واقعہ کے طور پر عملی جامہ پہنا سکے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ کے آنے سے پہلے اوبامہ انتظامیہ کے دور میں بھی مسئلہ فلسطین اور اس کے مجوزہ حل جمود کا شکار تھے لیکن کئی اسباب کی بناپر نتائج حاصل کرنے میں ناکامی کی وجہ سے اس میں کوئی قابل ذکر کامیابی نہیں ملی تھی جن میں سے کچھ اسباب یہ ہیں؛ امریکی انتظامیہ اس مسئلے کو ترجیح نہیں دے رہی تھی اور یہودی وجود کے وزیر اعظم نیتن یاہو کا غیر لچکدار رویہ۔ لیکن ٹرمپ انتظامیہ کے زیر سایہ منظر نامے میں نئی بات الجھن اور معاملے کا واضح نہ ہونا ہے، کیونکہ حل کی تفصیلات میں باہمی اختلاف اور کب اور کیسے کے حوالے سے امریکی سیاستدان تقسیم ہیں۔ ٹرمپ انتظامیہ دوریاستی حل کے نظریئے کو عملی جامہ پہنانے کے تسلسل کا اعلان تو کرتی رہی، لیکن یہ حل، جو اس انوکھی سوچ کے نتائج کے مطابق ہو، کے بار بار وعدے کے باوجود اس پر شکوک وشبہات کا اظہار کیا جاتا رہا۔

آج تمام ممکنات کا ختم ہو جانا 1948 میں یہودی وجود کے قیام کے اعلان کے وقت

سے مشابہت رکھتا ہے۔ جدید دور میں حل پر سوچنا پچھلی صدی کی پچاس کی دہائی سے لیکر اب تک کے امریکی انتظامیہ کے لیے گئے سیاسی فیصلوں سے مختلف ہے، جیسا کہ دو ریاستی حل کے مقابلے میں ایک ریاستی حل پر نظر ثانی کرنا۔ ریچرڈ فولک جو کہ بین الاقوامی قانون اور انسانی حقوق کا ماہر امریکی یہودی ہے، نے کہا کہ جنوبی افریقی منظر نامہ "فلسطینی (اسرائیلی) تنازعے کو ختم کرنے کے لیے واحد طریقہ ہے"۔ اس نے کہا کہ جنوبی افریقی ماڈل کے بارے میں اس کی بات کا مقصد یہ ہے کہ "فلسطینیوں کو ان کی سرزمین یا اسرائیل میں ان کے حقوق کے حصول کیلئے جدوجہد شروع کی جائے اور ساتھ ہی تل ابیب کے خلاف دنیا پر دباؤ ڈالنے کے لیے تنظیمیں موجود ہوں"۔ یہ بات فلسطین کی تنظیم آزادی کی مجلسِ عاملہ کے سیکریٹری صائب عریقات کے اس بیان سے ملتی جلتی ہے جو اس نے فروری کے وسط میں دیا کہ دو ریاستی حل کا متبادل ایک واحد جمہوری ریاست کا قیام ہے جس میں اس کی تمام رعایا یعنی عیسائی، مسلمان اور یہودیوں کے مساوی حقوق ہوں، اس نے مزید کہا: "ایک ہی ریاست میں دو مختلف نظاموں (امتیازی ریاست) کو قبول کرنا ممکن نہیں کہ جس کی تائید یہودی وجود کرتا ہے"۔ لہٰذا فلسطین کے میدان میں سیاسی منظر نامہ یہی ہے جہاں فریقین اور فیصلہ ساز تعطل اور الجھن کا شکار ہو گئے اور تمام حریف اور اقدامات کرنے والے مقصد اور شناخت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

جہاں تک امت مسلمہ کی بات ہے جو بدستور فلسطین کی مبارک سرزمین کو بغیر کسی شراکت کے صرف اپنا حق سمجھتی ہے، ذرہ برابر عقل رکھنے والے کسی بھی شخص کو اس میں کوئی

شک نہیں کہ 1967 کی سرحدوں کی بنیاد پر فلسطینی ریاست کے قیام پر مبنی پُرامن حل ممکن نہیں، نہ ہی بین الاقوامی طاقتیں ایسا ہونے دیں گی سوائے یہ کہ فلسطین میں یہودی ریاست کو تسلیم کر لیا جائے، جس کے نتیجے میں اس کے ساتھ وہ رسمی سیاسی تعلقات قائم کیے جائیں جو ان عالمی معاہدات کی پاسداری کریں جن کی پاسداری وعدہ کی گئی فلسطینی ریاست اور اسلامی دنیا کی موجودہ ریاستوں پر بھی لازم ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ امت اس حل کو مکمل طور پر مسترد کرتی ہے، اس پرامن حل کو قابل قبول بنانے کے لیے سیاسی طور پر اور میڈیا کے ذریعے جواز پیدا کرنے کی کوشش کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے کہ جو اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے اور ساتھ میں فلسطینی ریاست کے منصوبے کو قبول کرنے کی بات کرتا ہے وہ دراصل سنجیدہ ہی نہیں، یا جو 2007 کی نارملائزیشن کی عرب پیش رفت کے لیے یہود کو قبول کرنے کی بات کرتا ہے وہ بھی سنجیدہ نہیں۔ لکھاریوں اور سیاست دانوں کی جانب سے 1967 کی سرحدوں پر مشتمل برائے نام ریاست کو قبول کرنے کی باتیں "سیاسی وھم" کے سوا کچھ بھی نہیں۔ سیاست دانوں کی جانب سے اس حل کو قبول کرنے کی باتیں سنجیدگی کے دائرے سے ہی خارج ہیں، کیونکہ یہ اس اساس سے ہی مکمل طور پر ٹکراتی ہیں جس اساس پر فلسطینی مزاحمت کے اسلامی اور سیکولر دونوں حصے پیدا ہوئے۔ علاوہ ازیں، یہ ان کے اعلان کیے گئے منشورات کے ہی خلاف ہے۔ فلسطین کی مبارک اسلامی سرزمین کے ساتھ مسلمانوں کا عقیدے کا رشتہ اس کے علاوہ ہے، انبیاء کے قاتل یہودیوں سے سختی نفرت اس پر مستزاد ہے۔ دو ریاستی حل کو قبول کرنے کی کوششیں "بین الاقوامی برادری" کی طرف

لپکنے کی تکلیف میں عارضی طور پر تخفیف کرنے اور یہودی ریاست سے تعلقات قائم کرنے کی ناکام کوشش ہے۔ یہ داخلی طور پر نئے سیاسی طریقہ کار کی ترویج کے لیے عوام کے سامنے سرگرم عمل ہونے کے مطالبے کو پورا کرنا ہے جبکہ مغربی سیاست دان ان بیانات کی حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں، خاص طور پر جب کارٹر اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ "اسلامی مزاحمت کی پوری قیادت 1967 کی سرحدوں کے مطابق پُرامن بقائے باہمی (Peaceful co-existence) کے لیے تیار ہے"، تب بھی یہ قائدین بیانات سے پہلے عملی طور پر اس کی تردید نہیں کرتے، بلکہ ہر موقعے پر مسلسل فلسطینی ریاست کو قبول کرنے کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ فلسطین کے بیشتر حصہ تو کیا اس کے شہر عکّا کے چھوٹے سے گاؤں "تائهة" میں بھی دو ریاستی حل کو قبول کرنا یعنی یہودیوں کے لیے کسی ریاست کا اعتراف کرنا امت کے نزدیک سیاسی اور شرعی طور پر باطل ہے چاہے یہ حل عارضی ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ اسلام کا لبادہ اوڑنے والی بعض قائدین کہہ رہے ہیں اور جیسا کہ فلسطینی تنظیم نے (دو ریاستی حل) اعتراف کے دلدل میں اعلانیہ طور پر پھنسنے کی ابتدائی دور میں جب اعلان کیا تھا کہ "کچھ لو اور کچھ دو"۔ جو احکام شرعیہ فلسطین کی مبارک سرزمین کو اس امت مسلمہ کی ملکیت قرار دیتے ہیں وہی احکام امت پر فوراً متحرک ہو کر فلسطین کو آزاد کروانے اور یہودی وجود کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کو فرض قرار دیتے ہیں۔ مبارک سرزمین کا امت مسلمہ کی ملکیت ہونا احکام شرعیہ کے رُو سے ہے اور انہی احکام کی رو سے فلسطین کی مبارک سرزمین خراجی سرزمین ہے جس کی حریت کا واحد طریقہ افواج کو متحرک کرنا اور جہاد کرنا ہے تاکہ اس پر قبضے کا خاتمہ کیا جاسکے۔ یہ آفاقی سچ ہے

جس نے اس مبارک سرزمین کو امت مسلمہ کی ملکیت بنایا اور اس ملکیت کو ختم نہیں کیا جا سکتا ما سوائے کسی شرعی دلیل کے، لہٰذا فلسطین کی آزادی صاحبِ حق یعنی امت مسلمہ کی جانب سے اپنے کندھوں پر موجود شرعی فرض کو ادا کرتے ہوئے افواج کو متحرک کرنے سے ہی ہو گی۔ اس حق کو چھین لینے کے لیے مغرب کے استعمال کردہ طریقے اور آلہ کار صرف اس یہودی وجود کو مستحکم کرنے کیلئے ہیں جس سے اس کی جڑیں مزید مضبوط ہوں گی۔ اس قبضے کا جواز بین الاقوامی قوانین اور فیصلے بذاتِ خود ہیں جنہوں نے ارضِ مقدس میں یہود کو اپنا وجود بنانے کی خاطر "جعل سازی" کی، مسئلہ فلسطین کے حوالے سے بین الاقوامی فیصلوں کو تسلیم کرنا یا بین الاقوامی حمایت کا مطالبہ کرنا غیر اللہ کے احکام پر چلنا ہے بلکہ یہ تو ان ہی کے احکام پر چلنا ہے جنہوں نے یہودیوں کو ہماری سرزمین میں اپنا وجود قائم کرنے کا "حق" دیا اور ان فیصلوں کو قبول کرنے سے اللہ کے غضب، خیانت اور ارضِ مقدس پر غاصب یہودی وجود کے حق میں دستبرداری کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ کیا ان سے حق مانگنا درست ہے جن کا خود اس زمین پر کوئی حق نہیں بلکہ جنہوں نے ہماری سرزمین کو ان یہودیوں کی جھولی میں ڈال دیا جن کی اپنی کوئی ریاست ہی نہیں؟! کیا اس بات کا تصور کیا جا سکتا ہے جن قوانین اور منصوبوں کو وضع ہی یہودی وجود کو مضبوط کرنے کے لیے کیا گیا ہے، ان کے ذریعے ارض مقدس آزاد ہو جائے گی؟! کیا کوئی عقل والا شخص استعماری مغرب کا دروازہ کھٹکھٹائے گا یا اس کے خبیث بین الاقوامی آلہ کار جیسے سلامتی کونسل سے اپنے غصب شدہ حق مانگنے میں فائدہ محسوس کرے گا؟ کیا شیطانی طریقے پر چل کر ربانی حق کو واپس لیا جا سکتا ہے؟!

آج حکومتوں، تنظیموں، فلسطینی اتھارٹی اور قومی گروہوں کی باہمی مخالفت اور ٹکراؤ کا دور بھی اختتام کو پہنچ چکا ہے اور ان سب کے ہاں دو ریاستی حل کو قبول کرنا ہر سیاسی جدوجہد کی تمہید ہے۔ امارات یہودیوں کے ساتھ تعلقات قائم کر چکا ہے۔ یہودی ریاست کے ساتھ تعلقات کے لیے دوڑ فلسطین کے لوگوں اور امت مسلمہ کو کھائی میں گرا کر یہودی وجود کے لیے جواز پیدا کرنے اور اسے مقدس سرزمین میں شریک کرنے کی کوشش ہے۔ مغربی کنارے میں نئی آبادی کاری کو مسترد کرنے کا مطلب 1948 میں غصب کیے گئے فلسطین کے بیشتر حصے سے دستبرداری ہے اور 1967 کی سرحدوں میں ریاست قائم کرنے کی بات غاصب یہودی وجود کی جانب سے اس سے پہلے اور بعد میں غصب کی گئی زمین پر یہودی حق کو تسلیم کرنا ہے جس میں یروشلم اور مسجد اقصیٰ سے دستبرداری بھی شامل ہے۔ لوگوں کو پرامن مظاہروں کے لیے ابھارنا اور یہ کہنا کہ فلسطین فلسطینیوں کا مسئلہ ہے امت کا نہیں، یہ بین الاقوامی پیمانوں کے مطابق اپنے حقوق مانگنے یعنی افواج کو متحرک کر کے پورے فلسطین کو آزاد کرنے اور دوبارہ امت کے حوالے کرنے سے دستبرداری ہے۔ عسکری حل کو نظر انداز کر کے فلسطین کی آزادی کے لیے افواج سے فوراً متحرک ہونے کا مطالبہ نہ کرنا ارض مقدس کے معاملے سے خیانت اور اس پر یہودی وجود کے لیے جواز پیدا کرنے اور اسے مستحکم کرنے کی کوشش ہے۔

لہٰذا مخلص لوگوں کے لیے یہی وقت ہے کہ وہ خاموشی توڑیں اور اس قبضے کے متعلق وہ بنیادی طرز عمل اختیار کریں جو مکمل آزادی تک دائمی جنگ کا اعلان ہو: کیا علماء، قائدین اور

جماعتیں پانی کے سر سے گزرنے سے پہلے یہودی وجود کو تسلیم کرنے اور تعلقات قائم کرنے کے اس سلسلے کو روکیں گے ؟! یا پھر موجودہ "حکمرانوں پر بھروسہ" کرنے اور رسول اللہ ﷺ سے عہد شکنی کرنے والے اور انبیاء کو قتل کرنے والے یہود سے تعلقات قائم کرنے والوں کی حمایت میں فتوے دینے والے "معزز علماء" کے نام پر مغرب کی مکاری کی ریت میں "عقل" کو دفن کرنے کا سلسلہ ہی جاری رہے گا؟!

بے شک فلسطین کے مسئلے کا واحد قابل قبول اسلامی حل اس کی مٹی کو قبضے سے مکمل آزاد کرنا ہے اور یہ امت کی افواج کے فلسطین کی مدد کے لیے متحرک کرنے سے ہو گا، جس میں پاکستان کی افواج سر فہرست ہیں۔ اس کے علاوہ کسی دوسری صورتحال، کسی دو ریاستی حل یا ایک ریاستی حل کی کوئی گنجائش نہیں، یہ باتیں یا تو دشمن کرتے ہیں یا گمراہ کن لوگ جیسے مسلمانوں کے عرب اور غیر عرب سیکولر حکمران جو امت مسلمہ سے مکمل طور پر الگ ہو چکے ہیں اور کرائے کے قاتل کے طور پر ہر وہ کام کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں جس سے ان کی کرسی اور جمع کی ہوئی دولت بچ جائے۔ اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ فلسطین کا مسئلہ ایک اسلامی مسئلہ ہے، اس کی زمین قیامت تک امت مسلمہ کی ملکیت ہے اور اس کی آزادی امت کے قدرت رکھنے والے سپوتوں پر فرض ہے، کسی بھی بہانے اور جواز سے اس کی بالشت بھر حصے سے بھی دستبرداری حرام ہے، اس لیے امت کو مجرم کافروں کی فلسطین کی مبارک سرزمین کے بارے میں سازشوں اور مکاریوں پر بحث و مباحثہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

أَفَمَن يَمْشِي مُكِبّاً عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَى أَمَّن يَمْشِي سَوِيّاً عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

"کیاجو شخص جو منہ کے بل گر کر چلتا ہے منزل مقصود پر پہنچے گا یا وہ ہموار راستے پر سیدھا چل رہا ہو"۔(22-67)

یقیناً فلسطین امت کی غیرت مند افواج کے ہاتھوں اللہ کی مدد اور اذن سے بہت جلد آزاد ہو گا، نبوت کے طرز پر خلافت راشدہ کی افواج کے ہاتھوں سے جس کے عنقریب قیام کے ساتھ ہی اس کے لشکر جرار روانہ ہوں گے، ان شاءاللہ۔

﴿فَإِذَا جَاء وَعْدُ الآخِرَةِ لِيَسُوؤُواْ وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُواْ الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُواْ مَا عَلَوْاْ تَتْبِيراً. عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا﴾

"پھر جب دوبارا وعدے کا وقت آیا (اور اے بنی اسرائیل تمہارے دشمن غالب آ گئے) تا کہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی مرتبہ مسجد میں داخل ہو گئے تھے اسی طرح پھر داخل ہو جائیں اور جس چیز پر غالب آئیں اسے تباہ کر دیں۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور تم دوبارا (سرکشی) کرو تو ہم بھی دوبارا (تمہیں رسوا) کریں گے"۔(7-8:17)

ختم شد

کشمیر کو آزاد کروانے کی غیر موجود خواہش

تحریر: صلاح الدین، پاکستان

بھارت کی جانب سے یکطرفہ طور پر آرٹیکل 370 کو کالعدم قرار دینے کے بعد بھارت میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم نے مزید شدت اختیار کرلی ہے۔ شمالی کشمیر کے علاقے سوپور میں ایک اور افسوسناک واقعہ میں انسانیت سوز ظلم کا مظاہرہ کیا گیا، جہاں ایک شہری کو اس کے تین سالہ پوتے کے سامنے ہی قتل کر دیا گیا۔ سوشل میڈیا پر منظر عام پر آنے والی دل دہلا دینے والی تصاویر میں 3 سالہ لڑکے کو اپنے دادا کی لاش پر بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ قابض یہودی افواج کی طرف سے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کی طرح، ہندو مشرکین کی جانب سے مسلمانوں پر وحشیانہ نوعیت کے حملے عدم متوقع نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا "بے شک، تم مردوں میں مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں۔"(سورۃ المائدۃ 5:82)

مسئلہ کشمیر کا حل بلاشک و شبہ جہاد ہے۔ کشمیر میں سیاسی، اخلاقی اور مسلح حمایت کے ذریعے ایک مسلح بغاوت، کہ جس کے ساتھ ساتھ پاک فوج کشمیر میں جنگ کا اعلان کرے، عملی

طور پر بالکل قابل عمل ہے۔ ایک کروڑ بیس لاکھ کشمیری آبادی میں سے نوے لاکھ مسلمان ہیں، جن میں سے بیشتر اب مکمل طور پر بھارت مخالف ہیں اور وہ مسلح شورش میں مختلف درجوں میں سرگرم ہو جائیں گے۔ پاکستانی فوجی قیادت کو 1971 کی جنگ کی وجہ سے اس بات سے آگاہ ہونا چاہیئے کہ کسی ریاست کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے مسلح شورش کو کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔ وہ ذلت ان کے ذہنوں میں زندہ ہو گی، جہاں انہوں نے مشرقی پاکستان میں مسلمان آبادی کو پہلے ہی اپنے آپ سے دور کر دیا تھا، جس نے بعد میں بھارتی فوج کی مدد سے بنگلہ دیشی قوم پرستوں کے آزادی کے اعلان، کی حمایت کی یا وہ خاموشی سے دیکھتے رہے۔ لہٰذا کشمیر کی صورتحال اس کے برعکس ہے جہاں ایک مسلح مسلم بغاوت جسے پاکستانی فوج کی حمایت حاصل ہو، وہ کشمیر کو مسلمانوں کو واپس دِلانے کے لئے استعمال ہو سکتی ہے۔ یہ منظر نامہ بھارتی فوج کے لئے ایک ڈراؤنے خواب کی طرح ہے۔ اور یہ ان اندرونی علیحدگی پسند تحریکوں کے علاوہ ہے جو بھارت کے ٹکڑے کرنا چاہتی ہیں، یا چین کے ساتھ سرحدی تنازعات جو پہلے ہی بھارتی افواج پر اس کی صلاحیت سے زیادہ بوجھ ڈال رہے ہیں۔ مزید یہ کہ اگر امریکہ عراق، شام اور افغانستان میں ان شورشوں پر قابو نہیں پاسکا جو گھروں سے اٹھی تھیں تو بھارت کشمیر میں کس طرح اِس کو روک سکے گا؟

تاہم، متعدد مواقع پر، پاکستانی فوجی قیادت یہ پیغام دے چکی ہے کہ موجودہ معاشی صورتحال اور آئی ایم ایف پر انحصار کی وجہ سے کشمیر میں جنگ ممکن نہیں۔ تاہم اس بیان کی

منافقت عیاں ہے۔ گذشتہ کم و بیش 20 سالوں میں آئی ایم ایف نے پاکستان کو جب بھی قرضے دیئے، دلچسپ طور پر مسلمانوں کے خلاف فوجی کارروائیوں کا آغاز بھی اسی وقت کیا گیا۔ 2001 میں پرویز مشرف نے آئی ایم ایف سے تقریبا 1 ارب ڈالر کی رقم حاصل کی، اسی دور میں پاکستان نے افغانستان میں امریکی کارروائیوں کے لئے غیر متزلزل مدد کی یقین دہانی کرائی۔ 2008 میں مشرف کے جانے کے بعد، پی پی پی کی حکومت نے آپریشن زلزلہ (2008)، آپریشن شیر دل، آپریشن راہِ حق، اور راہِ راست (2007–2009) کے ساتھ 7.2 ارب ڈالر حاصل کیے۔ 2013 میں مسلم لیگ (ن) کی آنے والی حکومت نے آپریشن ضربِ عضب کے ساتھ 4.44 ارب ڈالر حاصل کیے۔ اور آخر کار 2018 میں پی ٹی آئی کی آنے والی حکومت نے آپریشن ردّالفساد کے ساتھ 6 ارب ڈالر قرض لیا۔ یہاں اہم بات یہ ہے کہ ان کارروائیوں کے دوران پی پی پی، مسلم لیگ (ن) اور تحریک انصاف کی مختلف حکومتیں رہیں، لیکن مسلمانوں کے خلاف فوجی کاروائیاں مستقل طور پر قائم رہیں، جو معیشت پر ان کارروائیوں کی ترجیح کی نشاندہی کرتی ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں منصوبہ بندی کرنے، ان منصوبوں پر عمل درآمد کرنے، نئی صف بندی کرکے دوبارا مہم جوئی کرنے کی اہلیت اور خواہش کی کوئی حد نہیں ہے۔ لیکن کیوں وہی صلاحیت اور خواہش ہندوستانی مشرکوں سے لڑنے کے لئے ظاہر نہیں ہوتی؟ کسی بھی پاکستانی کو کوئی شک نہیں کہ فوج مخلص ہے اور اسے ہندوؤں اور کشمیر پر بھارت کے قبضے

سے نفرت ہے۔ منگلا کور کے سابق کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل طارق خان (ر)، اور فوجی انٹیلی جنس کے سابق چیف میجر جنرل ندیم اعجاز (ر) کی تحریروں میں گلوان وادی میں چین-بھارت کے ٹکراؤ پر تفصیل سے بات کی گئی ہے۔ اِن مضامین میں بھارت کے ساتھ تنازعہ میں چین کی کامیابی پر خوشی کا ایک خاص احساس پایا جاتا ہے، جو بنیادی طور پر ہندوستان سے گہری نفرت کی وجہ سے ہے۔ پھر بھی یہ بات عجیب ہے کہ یہ سنیئر افسران ملحدوں کے ذریعہ مشرکین کی شکست پر خوش ہیں، جبکہ مسلم دنیا کی سب سے بڑی، پیشہ ور، ایٹمی اسلحہ سے لیس مسلمان فوج کے اللہ سبحانہ وتعالی پر ایمان رکھنے والے افسران کشمیر پر بھارتی قبضے کے خلاف ہاتھ پر ہاتھ رکھے خاموشی سے دیکھ رہے ہیں۔

یہاں کچھ بنیادی سوالات جنم لیتے ہیں۔ کیا فوجی قیادت کشمیر کے لیے جنگ کرنے کی اپنی صلاحیت پر یقین رکھتی ہے جیسا کہ وہ قبائلی علاقوں میں جنگ پر یقین رکھتی ہے؟ کیا فوجی قیادت کشمیر کی خاطر لڑنے اور جنگ کرنے کے لئے پاکستانی فوج کی قابلیت پر اسی طرح یقین رکھتی ہے جیسا کہ وہ قبائلی علاقوں میں لڑتی اور جنگ کرتی ہے؟ شاید ہاں۔

تاہم اگر سوال یہ ہے کہ کیا فوجی قیادت اپنے آپ کو اس قابل سمجھتی ہے کہ وہ کشمیر کی جنگ کے سیاسی نتیجہ کو سنبھال سکے گی اور سیاسی صورتِ حال کو قابو میں رکھ سکے گی، جیسا کہ وہ قبائلی علاقوں میں ہونے والی جنگ کے سیاسی نتیجہ کو سنبھالتی رہی ہے تو اس کا جواب یقیناً "نہیں" ہے۔ مسلمانوں پر مسلط کردہ جنگ کے نتیجے میں بننے والے بین الاقوامی سیاسی دباؤ کو سنبھالنا

آسان ہے، کیوں کہ اگر مسلمان مارے جاتے ہیں تو پوری دنیا میں کفار زیادہ سے زیادہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور کم سے کم وہ اس بات کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اور جب مقامی مسلمان اس اقدام پر فوجی قیادت کا محاسبہ کرتے ہیں، تو ایسے مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے دیا جاتا ہے اور وہ گمشدہ افراد کے زمرے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ لیکن بین الاقوامی خود مختاری کی خلاف ورزی اور مسلح اقدامات سے بین الاقوامی برادری میں ردِ عمل پیدا ہوتا ہے اور اس ردِ عمل کا تناسب فریقین کے دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات اور سیاسی جھکاؤ کے مطابق ہوتا ہے، جس سے نمٹنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اگر پاکستانی فوج کشمیر میں جاتی ہے تو امریکہ کی طرف سے کارگل کی طرز پر دباؤ بہت شدید ہو گا۔ کیا فوجی قیادت، آنے والے امریکی دباؤ کو سنبھال سکتی ہے، یا اس سے بھی آگے بڑھ کر افغان امن عمل کے لئے اپنی حمایت سے دستبردار ہو کر خود امریکا پر دباؤ ڈال سکتی ہے؟ کیا افغانستان کے سیاسی حل پر امریکی کی پھنسی ہوئی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے پاکستان کی فوجی قیادت امریکہ کو کشمیر کے خلاف کسی بھی جنگ میں غیر جانبدار رکھنے کے لئے عالمی سطح پر جوڑ توڑ کی سیاسی سوچ رکھتی ہے؟ کیا عسکری قیادت اس طرح کی سیاسی سوچ رکھتی ہے کہ وہ چین پر اثر انداز ہو کہ چین کو بھارت کے ساتھ اپنی طویل سرحد پر بھارت کے لیے مسئلے کھڑے کرنے پر آمادہ کرے، تاکہ کشمیر کو بھارت سے چھین لینے کو آسان بنایا جاسکے؟

مسئلہ فوجی صلاحیت کا نہیں ہے، بلکہ ایسی سیاسی قیادت کی عدم موجودگی کا ہے جو امریکہ یا کسی بھی دوسری طاقت سے آزادانہ طور پر کھڑے ہونے کا اعتماد رکھتی ہو۔ کمزور محکوم سیاسی قیادت کے ہوتے ہوئے ہماری طاقت اور وسائل کو ہمیشہ غیر ملکی ایجنڈے کی خدمت کے لیے

استعمال کیا جائے گا۔ اب وقت آ چُکا ہے کہ پاکستانی فوجی قیادت ایک کور کمانڈر میٹنگ کا انعقاد کرے جس میں اسلام اور خلافت کو کچلنے کی بجائے اسے اپنانا اوراس کی پاسداری کرنا ایجنڈے پر موجود ہوں۔ یہ اسلام کا نظام ہی تھا جس نے بدر، اُحد اور احزاب کی لڑائی کے باوجود، مدینہ کی نوخیز ریاست کو اِس قابل بنادیا کہ ترقی کرتے ہوئے اُس نے جزیرہ نما عرب پر غلبہ حاصل کیا اور اُس وقت کی دنیا کی دو بڑی طاقتوں کو چیلنج کر دیا۔ یہ اسلام کا وہی نظام ہے کہ جسے اگر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کے طور پر پاکستان میں قائم کیا جائے تو پاکستان نہ صرف ترقی حاصل کرتے ہوئے خطے پر غلبہ حاصل کرلے گا بلکہ آج کی سپر پاور کو چیلنج کرنے کے قابل بھی ہو سکے گا۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾

"وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام ادیان پر غالب کر دے، اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں" (سورۃ التوبۃ 9:33)

ختم شد

ترکی کس طرح بحیرۂ روم میں موجود کشیدگی کو اپنے فائدے میں موڑ سکتا ہے

تحریر: عبدالماجد بھٹی

خبر

اس ہفتے، ترک صدر رجب طیب اردگان نے یونان پر مزید دباؤ ڈالا۔ یونانی قبرص کی غیر ملکی کمپنیوں کو سمندری پانیوں میں ڈرلنگ drilling کے لئے لائسنس جاری کرنے کی کوششوں کا حوالہ دیتے ہوئے، اردگان نے کہا، "وہ سمجھ جائیں گے کہ ترکی میں غیر اخلاقی نقشوں اور دستاویزات کو پھاڑنے کی سیاسی، معاشی اور فوجی طاقت موجود ہے"۔[1] انقرہ اپنے پانیوں میں گیس کی کھدائی کرنے کے یونانی قبرص کے حق کے خلاف سرگرمی سے مقابلہ کر رہا ہے اور اس نے اردگرد کے علاقوں میں زیرِ زمین (seismic) سرگرمیوں کے لئے ترکی کے تحقیقی جہاز بھیجے ہیں۔ دونوں سابقہ دشمنوں کے مابین تازہ ترین تناؤ نے ایک اور جنگ کے امکانات کو جنم دے دیا ہے۔

تبصرہ

یونان کی پشت پناہی پر یونانی قبرص پانی کے اندر توانائی کے ذخائر کا استحصال کرنے کی جستجو میں اکیلا نہیں ہے۔ اس سے قبل، رواں سال یہودی ریاست نے بھی یونان اور قبرص کے ساتھ مشرقی بحیرہ روم سے یورپ تک گیس لے جانے کے لئے پائپ لائن تعمیر کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ دو ہزار کلومیٹر (1200 میل) اِیسٹ میڈ پائپ لائن اسرائیل اور قبرص کے زیر انتظام سمندر کے ذخائر سے یونان تک ایک سال میں 9 سے 12 ارب مکعب میٹر گیس لے جا سکے گی، اور پھر اسے اٹلی اور دوسرے جنوب مشرقی یورپی ممالک بھیج دیا جائے گا۔ اس معاہدے پر ترکی

کے اعتراضات کے باوجود، مصر نے بھی نومبر 2019 میں یونانی قبرص کے ساتھ گیس پائپ لائن معاہدے پر دستخط کیے تھے۔

مشرقی بحیرۂ روم میں ترکی کی بڑھتی ہوئی موجودگی کو روکنے کے لئے، فرانس نے خطے میں اپنے لڑاکا طیارے اور جنگی جہاز بھیجے ہیں، اور یورپی یونین مکمل سفارتی مدد فراہم کر رہا ہے۔ جہاں تک امریکہ کی بات ہے، ٹرمپ انتظامیہ ابتدا میں تو یونانی قبرص کے ساتھ تھی لیکن بعد میں لیبیا اور شام میں امریکی مفادات میں انقرہ کی گہری شمولیت کے بدلے میں اس نے ترکی پر اپنی تنقید کو کم کر دیا ہے۔

ترکی کے مشرقی بحیرہ روم میں موجودگی کے خلاف بحری جہازوں اور فوجی ساز و سامان کی بڑھتی ہوئی موجودگی کو متوازن کرنے کے لئے اردگان نے روس کو فوجی مشقوں کے لئے مدعو کر لیا ہے۔ روس ایسٹ میڈ پائپ لائن کی مخالفت کرتا ہے، کیونکہ اس سے یورپ کو موقع مل جائے گا کہ وہ توانائی کے لیے روسی گیس پر اپنے انحصار کو کم کر سکے۔ بہر حال، ترکی کی اصل تشویش یہ ہے کہ 2023 میں لوزان کے معاہدے کے خاتمے کے بعد، مغربی طاقتیں گیس کے ذخائر پر یونانی قبرص کے دعوے کے بہانے ترکی کی بحریہ کو بحیرہ روم کے ایک چھوٹے سے علاقے تک محدود کرنے کیلئے استعمال کر رہی ہیں۔

ترکی کو ایک اور تباہی سے بچانے کے لئے اردگان کتنی ہی سخت کوششیں کر لے، لیکن اس کی تمام تر کوششیں ناکامی سے دوچار ہوتی نظر آتی ہیں۔ کیونکہ اردگان مغرب کے بنائے گئے انہی قوانین اور قواعد کو استعمال کر رہا ہے جو 1924 میں خلافت کے خاتمے کے بعد ترکوں کو قومی

ریاست کی حدود میں قید کرنے کے لئے بنائے گئے تھے۔ تُرک مسلمانوں کے لئے واحد ذریعہ نجات یہ ہے کہ وہ غیر ملکی نو آبادیاتی طاقتوں کے ذریعہ مسلط کردہ قومی ریاست کے ماڈل کو چھوڑ دیں اور خلافت راشدہ کی طرف واپس لوٹ آئیں۔

جب تُرکوں نے اسلام کے ذریعے حکمرانی کی تو انہوں نے ایشیاء ویورپ پر غلبہ حاصل کیا۔ ریاست عثمانیہ ایک برا عظمی طاقت کے ساتھ ساتھ ایک سمندری طاقت بھی تھی اور یورپ نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے جدوجہد کی۔ عثمانیوں نے 368 سال یونان پر حکمرانی کی اور بحیرہ احمر، بحیرہ ہند، خلیج عرب اور آبنائے ملاکا کے ساتھ ساتھ 200 سے زائد سالوں تک پورے بحیرہ روم کو بھی کنٹرول کیا۔ 1499 سے 1600ء تک عثمانیوں نے یورپی باشندوں کے خلاف مشہور فتوحات حاصل کیں، اور مشرقی بحیرہ روم سے لے کر مغربی بحیرہ روم تک کی تمام آبی گزرگاہوں کو کنٹرول کیا۔

مشرقی بحیرہ روم میں واقع لیپینٹو Lepanto کی 1571ء میں تیسری جنگ میں عثمانیوں کو اپنی پہلی بڑی شکست کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ قبرص کو حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ جنگ کے بعد خطاب کرتے ہوئے سلطان سلیم دوئم کے وزیر اعلی، گرینڈ وزیر محمد سوکلو نے وینس کے سفیر سے کہا، "قبرص کی لڑائی میں ہم نے آپ کو بازو سے محروم کر دیا، جبکہ ہمارے بیڑے کو شکست دینے میں، آپ نے صرف ہماری داڑھی کو کاٹا ہے۔ بازو کاٹ کر دوبارہ نہیں بڑھ سکتا ہے۔ لیکن ایک کٹی ہوئی داڑھی اُسترے کے لئے اچھی طرح بڑھ جائے گی "[2] ایک سال کے اندر ہی عثمانیوں نے اپنی بحریہ کو دوبارہ سے بحال کر لیا اور ایک بار پھر بحیرہ روم میں اپنی عظمت کو بحال کر

کے یورپیوں کو غم وغصہ میں مبتلا کر دیا۔

ترکی، یورپ اور اس کے بحیرہ روم کے اتحادیوں کے مابین موجودہ تنازعہ کچھ طریقوں سے ایک اور لیپینٹو کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ ترکی کے لئے اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے کا واحد راستہ خلافتِ راشدہ کا اعلان کرنا اور مصر کو یورپی یونین اور یونان کو ترک کرنے پر مجبور کرنا ہے۔ مصر اور ترکی کی مشترکہ بحری طاقت نہ صرف یونان کو روکنے کے لئے کافی ہے بلکہ قبرص کو مکمل طور پر ضم کرنے اور مسلم دنیا کو محکوم کرنے والے غیر اخلاقی نقشوں کو پھاڑ دینے کے لئے بھی کافی ہے۔

References

[1] Arab News, (2020). *"Erdogan in new threat to Greece in Eastern Mediterranean"*. [online] Arab news. Available at: https://www.arabnews.com/node/1730041/world [Accessed 06 Sep. 2020].

[2] https://en.wikipedia.org/wiki/Battle_of_Lepanto#cite_note-48

ختم شد

رجب طیب اردوگان کی پالیسیاں اسلام کے پیمانے میں (قسط-1)

تحریر: حامد عبد العزیز مصر

سیاسی صورت حال کا مطالعہ جذبات سے ہٹ کر صرف شعور کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اس پر حکم لگانا بھی ٹھوس اصولوں کی بنیاد پر ہونا چاہیے یعنی صورت حال کو ایسے ہی سمجھا جائے جیسی کہ وہ ہے نہ کہ جیسا ہم چاہتے ہیں۔ اس پر حکم اسلامی عقیدے پر مبنی ہونا چاہیے نہ کہ ایسی کشتی میں سوار ہو کر کہ جسے سمندر کی موجیں اور ہوائیں جدھر چاہیں لے جائیں کیونکہ افراد اور افکار پر حکم اسلامی عقیدے پر قائم ٹھوس قوائد پر مبنی ہونا چاہیے ورنہ ہم بغیر بیداری کی خوش فہمی میں نعرہ لگاتے ہوئے ہلاکت کی وادی میں پہنچائے جائیں گے، ہم کسی معاملے کو اپنی طرف آتے ہوئے بارش برسانے والا بادل سمجھ بیٹھیں جبکہ اس کی ہوا میں دردناک عذاب ہو یا یہ صحرا کا وہ سراب ہو جس کو پیاسا شخص پانی سمجھ بیٹھے! امت کو کسی کو اپنے ساتھ دھوکہ کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے کہ وہ اس سے امید لگا کر اپنی توانائیوں، صلاحیتوں اور وقت کو ضائع کرے پھر اس سے مایوس اور ناامید ہو جائے، خاص کر جب اس امت کے پاس اس کے رب کی کتاب موجود ہے جس نے اسے ہدایت اور نور کے طور پر نازل کیا۔ جب تک یہ امت اس قرآن کو معیار اور احکام کی بنیاد بنائے رکھے گی اور افکار کو اس بنیاد پر استوار کرے گی، گمراہ نہیں ہو گی۔ پہلے بھی امت ایسے بھٹکے ہوئے قائدین میں گھری رہی جنہیں اس لیے کھڑا کیا گیا اور مشہور کیا گیا تھا کہ وہ امت کو خوش رکھیں اور جھوٹے دعوؤں اور جذباتی تقاریر سے لہو گرماتے رہیں، اگرچہ یہ قیادتیں امت کو شکست

در شکست سے نہ بچا سکیں اور نہ ہی ظلم کو ختم کر سکیں بلکہ ان کی پیروی میں امت تباہ ہو گئی اور امت کے اہم اور سنگین معاملات میں انھوں نے دشمن کو فائدہ دیا، یہ سلسلہ مصطفیٰ کمال سے شروع ہو کر جمال عبد الناصر پھر یاسر عرفات تک بات پہنچ گیا اور ترک صدر رجب طیب اردوگان بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

رجب طیب اردوگان کون ہے:

یہ 26/2/1954 کو استنبول میں قاسم پاشا کے محلے میں پیدا ہوئے، اکا خاندان ملک کے شمال میں ریزا صوبے سے آیا۔ یہ مذہبی مدرسے امام حاطب میں داخل ہوئے، نجم الدین اربکان کی شاگردی اختیار کی، 1994 میں استنبول کا میئر بننے تک بہت سے منصبوں پر فائز رہے، ترکی کے مشہور شاعر ضیاء کوکالپ کے اس شعر کی وجہ سے چار مہینے جیل میں بھی گزارے جس میں وہ کہتا ہے کہ: "مساجد ہماری بیرکیں ہیں، گنبد ہمارے ہیلمٹ، مینار ہمارے نیزے ہیں مومنین ہمارے سپاہی ہیں"، پھر اس کے لیے عام معافی کا اعلان کیا گیا۔

پھر فضیلت پارٹی سے نکل کر اردوگان نے اپنے دوست عبد اللہ گل کے ساتھ جسٹس اینڈ ڈیویلپمنٹ پارٹی (AKP) بنائی۔ پھر وزیر اعظم بننے کے بعد اس نے اربکان کی پالیسیوں کو ترک کر دیا جن میں سے نمایاں (مشرقی طرز) کی پالیسی ہے اور مغرب اور یورپ کی طرف توجہ مرکوز کی۔ سنہ 1994 میں اس نے کہا: "ترکی کا نظام جس سیکولر عقیدے پر قائم ہے اس کو معطل کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اسلام اور سیکولرازم اکھٹے نہیں ہوسکتے، اس نے کہا کہ اگر ترکی اسلامی نظام کو اختیار کرے جس میں تمام شہریوں کو مسلمان سمجھا جائے تو ملک کے جنوبی مشرق

میں کردوں کے مسئلے کو حل کیا جاسکتا ہے"، اس نے دستور پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اسے "نشئی" ہاتھوں نے لکھا ہے۔ لیکن پھر اس نے یوٹرن لیتے ہوئے کہا کہ "وہ سیکولرازم کو جمہوریت کی ضمانت سمجھتا ہے"، اس نے لبرلزم کو بدنام نہ کرنے پر زور دیا اور اسے دین سے متصادم دکھانے کو غلط قرار دیا۔ اپنی پارٹی کے بارے میں اسلامی ہونے کی تردید کرتے ہوئے کہا: "بعض لوگ ہمیں اسلامی جماعت کہتے ہیں، بعض اس کو اعتدال پسند اسلام کہتے ہیں، ہم نہ یہ ہیں اور نہ وہ، ہم ایک قدامت پسند جمہوری جماعت ہیں ہم کوئی مذہبی جماعت نہیں، سب کو یہ بات جان لینی چاہیے"، 12/12/2009 کو لبنانی میگزین السفیر سے بات کرتے ہوئے کہا: "جسٹس پارٹی کوئی اسلامی جماعت نہیں"۔ اس نے اپنی حکومت کی خارجہ پالیسی کو جدید (خلافتِ) عثمانیہ پالیسی کہنے کو مسترد کیا، اور یہ اردگان ہی ہے کہ جس نے محض اسلامی رجحان کی وجہ سے غزہ سے ہمدردی کرنے سے انکار کیا۔ اگر ہم اس کی پارٹی کے منشور کو پڑھیں تو اس جماعت کی حقیقت واضح ہو جائے گی، منشور کہتا ہے کہ: "ہماری جماعت جمہوریہ ترکی کی وحدت پر مبنی ہے؛ جو کہ سیکولرازم، جمہوریت، قانون کی حکمرانی، جمہوری تہذیب، عقیدے کی آزادی اور مواقع میں مساوات کو بنیادی چیز سمجھتی ہے"۔

اس آدمی کی اس طرح دوٹوک بات کے باوجود بعض لوگ اس کا دفاع کرتے ہیں اور اس کی جماعت کو اسلامی اور اس کی حکومت اسلام پسندوں کے لیے قابلِ پیروی ماڈل قرار دیتے ہیں۔ اس کی مشہور کہاوت ان لوگوں کے منہ پر طمانچہ ہے جب اس نے کہا: "مسلمانوں کی تہذیب مغرب کی تہذیب سے مقابلہ نہیں کر سکتی"۔ جب اربکان سے اس کی وفات سے قبل

شرق الاوسط جریدے کو انٹرویو دینے کے دوران اردوگان کی جانب سے فضلیت پارٹی سے منحرف ہو کر اپنی جماعت بنانے کے عوامل کے بارے میں سوال کیا گیا تو اربکان نے جواب دیتے ہوئے کہا:"اردوگان نے جماعت بنانے کی پیش قدمی خود نہیں کی بلکہ اسے جماعت قائم کرنے کے احکامات دیئے گئے۔ اردوگان اس منصوبے میں کٹھ پتلی کیوں بنا کیونکہ مرتبہ و مقام، مال و دولت، صدارتی منصب اور اعلیٰ منصب اس کی کمزوری ہیں"، پھر کہا:" بعض پروگراموں میں یہودیوں سے شراکت داری کی وجہ سے ہم اس کی وفاداری سے مطمئن نہیں"۔

اسی طرح اسلامی جماعت سعادت پارٹی(Felicity Party) کے ایک بڑے راہنما اویا الکجو نیش نے کہا:" جسٹس اینڈ ڈیویلپمنٹ پارٹی کاروباری لوگوں اور سرمایہ داروں کی پارٹی ہے اور یہی اس کی پالیسیوں سے سب سے زیادہ مستفید ہوتے ہیں، اس جماعت کو امریکہ اور یورپ کی حمایت حاصل ہے اور یہ اپنی معاشی پالیسیوں میں لبرل ہے"۔ صدر عبداللہ گل کے سینئر مشیر نے ترکی کے اسلامی ریاست میں تبدیل ہونے کے امکان کو مسترد کرتے ہوئے کہا:"ترکی ایسی بنیادوں پر قائم ہے جن کو تبدیل کرنا یا ان میں ترمیم کرنا ممکن نہیں ان میں سب سے پہلے ریاست کا سیکولر اور جمہوری ہونا ہے"۔

جو لوگ اردوگان کا دفاع کرتے ہیں وہ زبردستی اس آدمی کو اسلام کا لباس پہنانے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ وہ اپنے افکار کی عملی تصویر ہے، واضح لبرل نمونے پر کاربند ہے، وہ دین اور ریاست میں واضح جدائی رکھتا ہے، جس مذہبی پہلو کو نمایاں کرنے پر اصرار کرتا ہے وہ صرف 'روایتی پہلو' ہے، ایسے کوئی دلائل یا شواہد نہیں جن سے ثابت ہو کہ وہ سیاست، معیشت

اور معاشرت میں شرعی احکام کو نافذ کرنے کی کوئی کوشش کر رہا ہے یا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے مختلف مواقع پر کہا کہ وہ ایک مسلمان ہے جو ایک سیکولر ریاست کی قیادت کر رہا ہے۔ 25 جنوری کی مصری عرب بہار Arab Spring تحریک کے بعد جب اس نے مصر کا دورہ کیا تو اس نے مصریوں کو ایک سیکولر ریاست اپنانے کی نصیحت کی، پھر بعض لوگ کیوں اردوگان کو وہ لباس پہنانا چاہتے ہیں جس کو وہ پہنا نہیں چاہتا؟ بلکہ وہ تو خود ان کو بھی اپنا سیکولر لباس پہنانا چاہتا ہے جسے وہ کامیاب حل سمجھتا ہے!

اس میں کوئی شک نہیں کہ دافوس (دافوس کانفرنس) میں اردوگان کا "بہادرانہ" موقف، Gaza freedom flotilla، توہین کے احساس کے بعد یہودی ریاست سے سفیر کو واپس بلانے اور سرکش بشار حکومت کے خلاف شامی عوام کی حمایت کے دعوؤں سے عرب دنیا میں اسے مقبولیت حاصل ہوئی جس سے اس نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اردوگان ان لوگوں کے لیے امید کی کرن بن گیا جنہوں نے کبھی اپنے ملکوں کے حکمرانوں کی طرف سے اس قسم کے بہادرانہ موقف نہیں دیکھے؛ مگر ہم یہ کبھی نہیں بھولیں گے کہ اس قسم کے بظاہر بہادرانہ موقف کے آڑ میں ترکی نے یہودیوں کے ساتھ حالات کو معمول پر لانے میں اہم کردار ادا کیا جس میں خطے کی تمام حکومتیں بلا استثناء ملوث ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ترکی کی جانب سے فلسطینی مزاحمت کی حمایت کا دعویٰ بھی جھوٹا ہے کیونکہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات اور مزاحمت متضاد چیزیں ہیں جو یکجا نہیں ہو سکتی، اسی طرح ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ شام میں اردوگان کی سرخ لکیروں نے شام کے لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ شامی انقلاب کو ماند کر دیا گیا اور وہ

علاقے جو مسلح مزاحمت کے ہاتھوں میں تھے، انہیں بھی حکومت کو سونپ دیا گیا۔ اگر گھٹنے ٹیکنے کا یہ منصوبہ جاری رہتا تو ادلب میں کچھ بھی نہ باقی رہتا۔ اسی طرح ترکی اور امریکہ کے درمیان منفرد تعلقات، ترکی کی نیٹو میں رکنیت اور یہود کے ساتھ اعلانیہ اقتصادی، سیاسی اور عسکری تعلقات کی وجہ سے ترکی عربوں اور یہودیوں کے درمیان ہمیشہ سیاسی نکاح خواں کا کردار ادا کرنے کا امیدوار ہوتا ہے۔

مسئلہ فلسطین کے حوالے سے اردوگان کا موقف اور یہودی وجود کے ساتھ تعلقات:

کسی سالوں کے تناؤ اور کشیدگی اور 2010 میں اسرائیلی کمانڈوز کی جانب سے "مرمرہ کشتی" میں سوار دس ترک کارکنوں کو قتل کرنے کے بعد، جو محصور شدہ غزہ کی پٹی پر پہنچنا چاہتے تھے، اردوگان نے غزہ کو قربان کیا اور غزہ کا محاصرہ ختم کروانے کے لیے عالمی برادری سے مطالبات پر اکتفا کر لیا۔ پھر اسرائیل سے تعلقات بحال کرنے کے لیے کئی یورپی شہروں میں مذاکرات کے کئی دور شروع کیے اور 2016 میں یہود سے تعلقات بحال کرنے کا ایک معاہدہ کیا۔ اس معاہدے میں یہ بھی شامل تھا: سفیر اور دوطرفہ دورے معمول کے مطابق بحال ہوں گے، دونوں ممالک بین الاقوامی تنظیموں میں ایک دوسرے کے خلاف کام نہیں کریں گے، طرفین کے مابین سیکورٹی اور جاسوسی پر تعاون بحال ہوگا۔ جبکہ ترکی غزہ کا محاصرہ ختم کرنے کے مطالبے سے یہ کہہ کر دستبردار ہوا کہ اسے (غزہ کی) پٹی میں ایک نئے ہسپتال، سمندر کا پانی صاف کرنے کا ایک پلانٹ اور بجلی پیدا کرنے کے لیے ایک بجلی گھر بنانے کی اجازت دی جائے۔

26 جون 2016ء کو موساد کے سربراہ یوسی کوھین نے انقرہ کا دورہ کیا اور اپنے ترک ہم

منصب ھکان فیدان Hakan Fidan سے ملاقات کی، اس ملاقات میں اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ ترکی حماس کو اسرائیل کے خلاف کسی قسم کی عسکری سرگرمیوں کے لیے ترک سرزمین استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے گا، چاہے یہ منصوبہ بندی کی شکل میں ہو یا ہدایت اور عملی اقدام کی شکل میں، جبکہ حماس سفارتی سرگرمیوں کے لیے ترکی میں موجود اپنے دفاتر کو استعمال کر سکے گی"۔ جبکہ ترکی نے حماس کی قیادت کو ترکی سے ملک بدر کرنے کی اسرائیلی شرط اور مطالبے کو قبول کر لیا۔ نومبر 2016 میں دوطرفہ سفارتی تعلقات بحال ہو گئے اور یہودی وزارت خارجہ نے اپنے سفارتکار ایتان نائیہ کو انقرہ میں اپنا سفیر جبکہ ترکی نے کمال اوکیم کو یہودیوں کے لیے اپنا سفیر مقرر کیا۔

نومبر 2016 میں ہی جب یہودی وجود میں آگ لگ گئی جس نے مقبوضہ مغربی کنارے میں یہودی آبادی کو اپنے لپیٹ میں لے لیا تو ترکی نے آگ بجھانے کے لیے جہاز بھیجنے کی پیشکش کی اور ترکی ہی آگ بجھانے کی پیشکش کرنے والوں میں سب سے آگے تھا۔ اردوگان نے آگ بجھانے کے لیے تین جہاز بھیجے، اس وقت نیتن یاہو نے کہا کہ وہ ترک حکومت کی اس مدد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردوگان تقریباً 80% فلسطین پر یہودی قبضے کو کوئی مسئلہ ہی نہیں سمجھتا بلکہ وہ اسرائیل کو ایک جائز ریاست سمجھتا ہے اور وہ اسراء و معراج کی سرزمین پر یہودیوں کے حق کا اعتراف کرتا ہے۔ وہ دوریاستی امریکی حل کی دلالی کرتا ہے اور حماس کو اعلانیہ طور پر اسرائیل کو تسلیم کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ صرف یہودیوں کی جانب سے نئی آبادکاری کو مسئلہ قرار دیتا ہے کیونکہ یہ "امن کی راہ میں "ایک رکاوٹ ہے۔

امریکی سفارتخانے کی القدس منتقلی:

دسمبر 2017 میں اردوگان نے امریکہ کی جانب سے القدس کو اسرائیل کا دارالحکومت بنانے کی صورت میں اسرائیل سے تعلقات منقطع کرنے کی دھمکی دی، مگر ایسا کچھ نہیں ہوا؛ نہ اس نے یہود سے تعلقات منقطع کیے نہ ہی امریکہ اور اس کے سائے جیسے یہودی وجود کے بارے میں کوئی سخت موقف اختیار کیا۔ اس وقت اردوگان نے کہا تھا کہ اس قسم کے اقدامات مسلمانوں کے نزدیک "سرخ لکیر" پار کرنا ہے۔ پھر اس نے اس وقت بھی یہی بات دہرائی جب امریکہ نے 8 مئی 2018 کو اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنا کر القدس کو 'اسرائیل' کا دارالحکومت قرار دے کر اپنا سفارتخانہ وہاں منتقل کیا۔ اردوگان نے سی این این (CNN) سے بات کرتے ہوئے کہا: "امریکہ کی جانب سے القدس کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دینا اور اپنا سفارتخانہ وہاں منتقل کرنا بہت بڑی غلطی ہے"۔ 14 مئی کو لندن کے اپنے دورے کے دوران کہا: "امریکہ نے حالیہ اقدام سے مسئلے کا حل بننے کی بجائے مسئلے کا حصہ بننے کو ترجیح دی، اور امن عمل میں ثالثی کا کردار ادا کرنے سے محروم ہو گیا"۔ یہ سب صرف خالی خولی بیانات تھے جن کا حقیقت پر کوئی اثر نہیں تھا، حتی کہ او آئی سی کا وہ خصوصی اجلاس جو اردوگان کی دعوت سے استنبول میں ہوا جو 'اسرائیلی' فوج کی جانب سے غزہ کی پٹی میں ساٹھ سے زائد فلسطینیوں کو قتل اور 2 ہزار افراد کو زخمی کرنے والے فلسطینی عوام پر 'اسرائیلی' مظالم کی مذمت کے لیے بلایا گیا تھا اور یہ اس وقت تھا جب امریکہ نے مشرقی بیت المقدس میں نیا سفارتخانہ کھولا تھا۔ اس اجلاس کا بھی کوئی اثر نہیں تھا جس میں خالی خولی تقاریر کے ذریعے مذمت اور مسترد کر کے آنکھوں میں دھول جھونکی گئی۔ اجلاس کے افتتاح سے قبل

اردوگان نے استنبول کے وسط میں ہزاروں مظاہرین سے، جو فلسطینیوں کی حمایت کے لیے اس کی دعوت پر جمع ہوگئے تھے، خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عالم اسلام "القدس کے امتحان میں فیل ہوگیا"۔ وہ امریکی سفارتخانے کی اس مقدس شہر منتقلی کو نہ روک سکا۔ ناکام وہ حکمران ہیں جنہوں نے اس کو روکنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے بلکہ یہی فلسطین کے خلاف سازش میں شریک ہیں، چاہے وہ ہوں جنہوں نے اس امریکی اقدام پر اعتراض ہی نہیں کیا یا وہ جو صرف لفظی مذمت اور زبانی کلامی باتیں کرتے رہے۔ اردوگان نے ہمیشہ پرجوش تقاریر سے عالم اسلام کا قائد بننے کی کوشش کی۔ اس نے 'اسرائیل' کے خلاف الفاظ کی جنگ کے ذریعے سابق عرب حکمرانوں کے کردار کو دہرایا جنہوں نے مسئلہ فلسطین کی تجارت کے ذریعے عوام کے دل جیتنے کی کوشش کی کیونکہ عوام مسئلہ فلسطین کو زندگی اور موت کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔

ڈیل آف دی سنچری اور اس کے حوالے سے ترکی کا موقف:

منگل 28/1/2020 کو امریکی صدر ٹرمپ نے واشنگٹن میں یہودی وجود کے وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو کی موجودگی میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے نام نہاد (ڈیل آف دی سنچری) کا اعلان کیا۔ اس منصوبے میں متصل فلسطینی ریاست کے قیام کی بات کی گئی ہے جس کے الگ الگ علاقے پلوں اور سرنگوں کے ذریعے آپس میں جڑے ہوں گے جبکہ القدس کو تقسیم کیے بغیر پورا یہودی وجود کا دار الحکومت دکھایا گیا ہے۔ جمعرات 30/1/2020 کو اناتولیہ میڈیا انعامات کی تقسیم کی تقریب کے دوران اردوگان نے ڈیل آف دی سنچری پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "القدس برائے فروخت نہیں"، انہوں نے یہ بھی کہا: "وہ اس کو ڈیل آف دی سنچری کہتے

ہیں، یہ کونسی ڈیل ہے! یہ تو استعماری منصوبہ ہے"۔ مزید کہا: "بطور ترک قوم فلسطین کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر وہی ہے جو سلطان عبد الحمید دوئم کا تھا"۔

یاد رہے کہ 5 مارچ 1883 کو سلطان عبد الحمید نے ایک قانونی مسودے کا اجرا کیا جس کو (The Second Will) کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں فلسطینی سرزمین پر یہودیوں کی ملکیت کو کالعدم قرار دیا گیا تھا اور فلسطین کی سرزمین کا بالشت بھر حصہ بھی یہودیوں کو دینا غیر قانونی قرار دیا گیا، 1909 میں آپ کو برطرف کیے جانے تک اس مسودہ قانون پر عملدرآمد ہوتا رہا، اس عرصے میں سلطان عبد الحمید نے وہ ساری زمینیں خود خریدی جن کو ان کے مالکان بیچنا چاہتے تھے۔ 1896 میں سلطان عبد الحمید نے فلسطین کو صہیونی تحریک کے سرغنہ تھیوڈور ہرڈزَل کو صہیونیوں کے لیے ریاست قائم کرنے اور سارے صہیونیوں کو وہاں یکجا کرنے کے لیے فلسطین کی زمین فروخت کرنے سے انکار کر دیا، اس دن سلطان عبد الحمید نے ہرڈزَل کو یہ جواب دیا: "میں اس زمین (فلسطین) میں سے ایک بالشت بھی نہیں بیچ سکتا کیونکہ یہ زمین میری ذاتی ملکیت نہیں بلکہ یہ ریاست عثمانیہ کی ملکیت ہے، اللہ کی قسم اگر تم میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دو میں فلسطین کی زمین کے ایک بالشت سے بھی دستبردار نہیں ہوں گا"۔ سلطان عبد الحمید نے اپنے قول کے مطابق فلسطین، القدس اور مسجد اقصیٰ کی حفاظت کی اور ہرڈزَل کی لائی ہوئی "ڈیل آف دی سنچری" کو اڑا کر رکھ دیا، یوں صہیونیوں کا خواب خلافت عثمانیہ کے سقوط تک پورا نہ ہو سکا۔ اردوگان نے ڈیل آف دی سنچری کے مقابلے میں زبانی جمع خرچ اور سرخ لکیروں کے ذکر کے سوا کچھ نہیں کیا جو روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔

شام کے مسئلے کے حوالے سے اردوگان کا موقف:

اردوگان نے 5 ستمبر 2012 کو کہا: "ان شاء اللہ ہم جلد سے جلد دمشق جائیں گے، وہاں ہم اپنے بھائیوں کو پوری محبت سے گلے لگائیں گے۔ یہ دن دور نہیں، ان شاء اللہ ہم صلاح الدین ایوبی کی قبر پر فاتحہ پڑھیں گے، جامع اموی میں نماز ادا کریں گے، ہم پوری آزادی سے بلال حبشی ،ابن عربی کے مزار، سلیمانی مہمان خانے اور حجاز ریلوے اسٹیشن کے سامنے اپنے بھائیوں کے لیے دعا کریں گے"؛ مگر ایسا ہوا نہیں، بلکہ اردوگان نے شام میں امریکی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نظام کو گرنے سے بچایا جائے، اور اس سلسلے میں ترکی نے سب سے نمایاں کام یہ کیا کہ اپنے زیر اثر جنگجوؤں کو 2016 کے اواخر میں واپس بلا کر داعش سے لڑنے کے لیے الباب شہر منتقل کیا جبکہ اس وقت حلب کے محاذ کو جنگجوؤں اور مدد کی سخت ضرورت تھی؛ حلب کا محاصرہ اور گلہ گھونٹنے والا معرکہ فروری 2016 سے دسمبر 2016 تک جاری رہا اور بالآخر حلب واپس بشار حکومت کے ہاتھ میں چلا گیا۔ ہر آنکھ نے دیکھ لیا کہ روس اور ترکی نے یہ واضح سودا کیا کہ حلب واپس بشار حکومت کو ملے گا جس کے بدلے الباب شہر ترکوں کو ملے گا۔ الباب کا معرکہ تقریبا تین مہینے جاری رہا تب ترکی کی حمایت یافتہ فرات شیلڈ (درع الفرات) 23/2/2017 کو الباب شہر میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد شام کی سرزمین میں ترکی کبھی داعش اور کبھی کردوں کے خلاف جنگ کے بہانے جغرافیائی طور پر وسعت حاصل کرتا رہا مگر جابر بشار الاسد کی حکومت کو ہاتھ بھی نہیں لگایا جو دوسری طرف زیادہ اہم علاقوں میں پیش قدمی کر رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مارچ 2018 کے آخر میں بشار حکومت مشرقی غوطہ پر دوبارہ

قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئی، یہ مارچ 2018 ہی کے وسط میں ہی ترکی کے ماتحت قوتوں کی جانب سے زیتون کی ٹہنی (Olive Branch) نامی آپریشن کے ذریعے عفرین پر قبضے کے فوراًبعد ہوا۔ یہی معاملہ ترکی اور اس کے اتحادیوں کی جانب سے راس العین اور تل ابیض میں کردوں کے خلاف امن کا چشمہ (Peace Spring) نامی معرکے میں دہرایا گیا اور ترکی نے سرحد پر مکمل کنٹرول حاصل کرلیا۔ اسی وقت کئی وسیع علاقے بغیر لڑائی کے کردوں کی کنٹرول سے نکل کر بشار حکومت کے قبضے میں چلے گئے۔ یوں ترکی کی ہر حرکت سے کوئی نہ کوئی علاقہ دوبارہ بشار حکومت کے قبضے میں چلا گیا اور شامی تحریک کے باقی گروہوں پر ان کا مکمل کنٹرول ہوگیا، جس میں سب سے آخری، ھیئۃ تحریر الشام (النصرۃ) تھا۔ ادلب کے حالیہ واقعات کے بعد سوچی معاہدے کو عملی جامہ پہنانے اور اس معاہدے کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو دبانے کے لیے ھیئۃ تحریر الشام نے حزب التحریر کے تیس سے زائد ممبران کو گرفتار کیا جو لوگوں کو نظام کے گرنے تک اپنی تحریک جاری رکھنے پر ابھارتی ہے، دوسری طرف ان گروہوں سے کہتی ہے کہ بین الاقوامی مکارانہ معاہدوں کو مسترد کرو۔

ترکی نے ادلب کے صوبے حماہ اور حلب کے مضافات میں روس اور ایران کے ساتھ مل کر 'کشیدگی کو کم کرنے کے معاہدے' کے نام سے ان علاقوں میں 12 چیک پوسٹیں قائم کی جہاں شامی مزاحمت اور شامی حکومتی فورسز آمنے سامنے تھیں، "کشیدگی کم کرنے" کے نام پر ان علاقوں میں یک طرفہ جنگ بندی کروائی گئی، مزاحمت کو روکا گیا جبکہ حکومت اور اس کے اتحادی روس نے اس دوران ضامن ترکی کی آنکھوں کے سامنے قتل وغارت کا بازار گرم کیا اور حکومت نے

شامی مزاحمت کے باقی ماندہ علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

روس اور ترکی کے درمیان اس معاہدے کے بعد شام کی مزاحم قوتوں کے ہاتھوں سے علاقے مسلسل نکلتے گئے، جس میں 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کے نام پر دوطرفہ اتفاق رائے سے فوجی گشت کو ممکن بنایا اور روس نے انقلابی گروہوں کے زیرِ اثر تمام علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش تیز کر دی جن میں آخری علاقہ اِدلب صوبے کا سراقب شہر تھا، یہی شامی انقلابی تحریک کا آخری گڑھ تھا۔ یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے لیے بہانے کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ شام کے الباب شہر میں ہوا، جہاں دنیا کے ممالک نے داعش کے خلاف لڑنے کا معاہدہ کیا اور اس کو تحریک کی ابتداء میں ہی شامی شہروں میں گھسنے کا موقع دیا تاکہ بشار اپنے اتحادیوں کو ساتھ لے کر دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر قتل وغارت کرتا رہے۔

یقیناً اردوگان نے شام میں جو کچھ کیا یہ اسلام کے ساتھ خیانت اور مسلمانوں کے خلاف جرائم کی ایک مثال ہے۔ انقلابی تحریک کو ناکام بنانے میں یہ پیش پیش تھا۔ یہ روس کے ساتھ کھڑا ہوا اور تمام اقدامات میں اس کے ساتھ ہم آہنگ تھا۔ پھر کچھ لوگ کیسے اردوگان سے کوئی امید لگاتے ہیں اور پھر یہی لوگ ایران اور روس کو امت مسلمہ کا دشمن کہتے ہیں!!

اردوگان ہی نے حلب شہر کو سونے کی پلیٹ میں رکھ کر بشار حکومت کو واپس دیا جبکہ یہ عظیم شہر کئی سال تک بشار، روس، ایران، ان کے اجرتی قاتلوں اور کرائے کے جنگجوؤں کے مقابلے میں ڈٹا ہوا تھا۔ بشار اور اس کے اتحادیوں کے حلب پر حملے ساتھ اردوگان نے درع الفرات آپریشن شروع کیا یعنی جس وقت حلب اور اس کے لوگوں کو مدد کی سخت ضرورت تھی،

اس وقت اردوگان نے اپنے زیر اثر جنگجوؤں کو دوسری طرف مشغول کرکے بشار کو موقع دیا، لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

یہ بات تو کسی سے پوشیدہ نہیں کہ امریکہ اور اس کا پیروکار روس اور امریکہ کے ایجنٹ، شام کے سرکش بشار کی حکومت کو گرانا نہیں چاہتے تھے، بلکہ یہ اس کے خلاف شروع ہونے والی تحریک کو ناکام بنا کر حالات کو 2011ء سے پہلی والی صورتحال پر واپس لانا چاہتے تھے۔ اسی لیے امریکہ ہی اس قول کے پیچھے تھا کہ "یا اسد رہے گا یا ملک کو جلا کر راکھ کر دیں گے" اور اب اس نے جو شروع کیا تھا اسے اختتام تک پہنچانا چاہتا ہے شاید شمالی شام ہی اس تحریک آخری قلعہ ہے۔

پیوٹین اور اردوگان کے معاہدے خطرناک ترین ہیں کیونکہ اردوگان اپنے وفادار گروہوں کے ساتھ کھیلنے کا ماہر ہے تاکہ ایک کے بعد ایک علاقہ روس اور بشار کو واپس کر سکے۔ کنٹرول کرنے کے بعد اس ڈرامے کو شروع کرنے کے لیے سب سے پہلے گنجان آبادی والے علاقوں پر بے رحمی سے بمباری کی جاتی ہے جس میں لوگوں، سکولوں، بازاروں اور ہسپتالوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے، جس کا مقصد مقابلے اور اپنے علاقوں کا دفاع کرنے کے لیے تیار گروہوں کی حوصلہ شکنی کرنا ہوتا ہے۔ یوں مکمل افراتفری پھیلا کر حالات کو بے قابو کرنا پھر خون خرابے سے بچنے کے نام پر اپنا علاقہ خالی کرکے ان کے حوالے کرنے کی پیشکش کرنا، جنیوا، آستانہ اور سوچی جیسے غدارانہ معاہدات، انقلاب اور لوگوں سے بالاتر بلند مقاصد بن جاتے ہیں۔

(جاری ہے۔۔۔)

ختم شد

آجکل مسلمانوں کے درمیان ہونے والی جنگوں کے بارے میں حکم شرعی

تحریر: استاد شایف صالح الشرادی- صنعاء

جب سے اللہ سبحانہ وتعالی نے اس امت کو اسلام کے پیغام سے نوازا، جو آخری رسول ﷺ کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانے کے لئے نازل کیا گیا تھا، مسلمانوں پر جہاد کا تصور واضح تھا جس وجہ سے انھوں نے مکہ میں کفار کے خلاف لڑائی نہیں کی۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تعلیم دی تھی کہ جاہل معاشرے کو تبدیل کرنے کا طریقہ فکری طور پر چیلنج کرنا، حکمرانوں کے خلاف سیاسی جدوجہد اور اسلامی ریاست کے قیام کے لئے اہلِ قوت سے نصرت کا حصول ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست قائم کی تو جہاد کے احکامات نازل ہوئے اور مسلمانوں نے جہاد کو اس طرح سمجھا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کو تعلیم دی تھی اور اسلامی ریاست کے 1924ء میں انہدام تک کے تمام عرصے میں جہاد کا تصور واضح رہا۔ استعمار کی آمد کے ساتھ مسلم سرزمین پر مغربی سرمایہ داریت کی فکری اور ثقافتی یلغار بھی پہنچی۔ پس بہت سے اسلامی احکامات مسخ کر دیئے گئے۔ ان میں جہاد کے احکامات بھی تھے۔ لہٰذا، جہاد کے معنی اس کے درست مطلب سے گر کر وہاں پہنچ گئے جو آج کل ہو رہا ہے۔ استعمار کے ایجنٹوں میں سے ہر ایک گروہ شریعت کی نصوص کو موڑ کر یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مطلوبہ جہاد کر رہا ہے تاکہ اپنے پیروکاروں کو مسلمانوں کے خون کی قیمت پر اقتدار کی لگام کو تھامے رکھنے کے لئے آمادہ کیا جائے۔ ہر گروہ اپنے پیروکاروں کو شہداء سمجھتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا ٹھکانا جنت ہو گا اور ان کے دشمنوں

کا ٹھکانہ، جو مغربی استعماری ریاستوں کو خوش کرنے کے لئے طاقت کے حصول کی کوشش پر ان سے متصادم ہیں، جہنم کی آگ ہو گی۔ لہذا مسلمانوں کے مابین جاری لڑائیوں کے بارے میں صحیح فہم کا ہونا ضروری ہے۔ یہاں، ہم اس موضوع پر اسلامی احکامات کی وضاحت کریں گے، تاکہ صحیح موقف پر کھڑے ہوا جائے جو رب العالمین کو خوش کرے۔ شریعت کے مطابق جہاد کیا ہے؟ جہاد کافروں کے خلاف لڑائی ہے تاکہ اللہ جَلَّ جَلَالَہٗ کے کلمہ کو تھاما جائے اور اسے سربلند کیا جائے۔ اس کے اعلان کی وجوہات دو امور ہیں، اور وہ یہ ہیں: جارحیت کو پسپا کرنا اور اسلامی دعوت کو آگے لے کر جانا، یعنی لوگوں تک پہنچنے کے لئے اسلام کے خلاف رکاوٹوں کو توڑنا اور انہیں دور کرنا تاکہ اسلام کا پیغام پہنچایا جاسکے۔

جہاد خاص قسم کی لڑائی (قتال) ہے، کیونکہ لڑائی عام ہے اور جہاد خاص ہے۔ لہذا، ہر جہاد لڑائی ہے، لیکن اس کے برعکس صحیح نہیں ہے یعنی ہر لڑائی جہاد نہیں ہے۔ لوگوں کے مابین لڑائی کی تین اقسام میں درجہ بندی کی جاسکتی ہے۔

لڑائی کی پہلی قسم: کفار کی آپس میں لڑائی۔ یہ باطل ہے قطع نظر اس سے کہ وہ دین کفر میں سے مختلف عقائد کی خاطر ہو یا لالچ اور مفادات کی خاطر۔

لڑائی کی دوسری قسم: اللہ جَلَّ جَلَالَہٗ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے کفار کے خلاف مسلمانوں کی لڑائی۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔

لڑائی کی تیسری قسم: مسلمانوں کی آپس میں لڑائی۔ یہ وہ مضمون ہے جس سے متعلق یہاں تفصیل بیان کی جائے گی۔

مسلمانوں کے مابین لڑائی دو طرح کی ہے۔ 1- قانونی اور جائز لڑائی، 2- غیر قانونی اور حرام لڑائی۔

قانونی اور جائز لڑائی: اس کی درجہ بندی مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ بغاوت کے خلاف لڑنا

۲۔ اقتدار پر قبضہ کرنے والے غاصب کے خلاف لڑنا

۳۔ ڈاکوؤں کے خلاف لڑنا (حرابہ)

۴۔ انفرادی محرمات (جان، مال وغیرہ) کی حفاظت کے لئے لڑنا (قتال الصیال)

۵۔ عوامی محرمات کے تحفظ کے لئے لڑنا

۶۔ حکمران کے انحراف کے خلاف لڑنا

۷۔ اسلامی ریاست کے قیام کے لئے لڑنا

۸۔ مسلمانوں کی وحدت کے لئے لڑنا

چونکہ تاریخ میں مسلمانوں کے مابین تنازعات کی پچھلی مثالوں کی ان تنازعات سے بہت کم مماثلت ہے جو آج مسلمانوں کے مابین جاری ہیں، لہذا ہم ان کا صرف مختصر طور پر تذکرہ کریں

گے، اور اس دوران مسلمانوں کے مابین ہونے والی بڑھتی ہوئی لڑائی سے ملتے جلتے حقائق کے لئے مزید جگہ فراہم کریں گے۔ ان موضوعات پر گفتگو کرنے سے پہلے، یہ واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ واقعتاً شہید کون کہلاتا ہے، کیوں کہ شہادت جہاد کے مضمرات میں شامل ہے۔ شہید وہ ہے جو اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے لڑتے ہوئے کفار کے ہاتھوں مارا جائے۔ شہید کی تین اقسام ہیں:

شہید کی پہلی قسم: دنیا اور آخرت کا شہید۔ یہ وہ شخص ہے جس نے اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے کفار سے لڑائی کی اور مسلمانوں اور کفار کے مابین اس لڑائی کے دوران کفار یا مسلمانوں کی سرزمین میں مارا گیا۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے، **وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (القرآن ۳:۱۶۹)** "جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انھیں مُردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں"

یہ اس شہید کے متعلق ہے جس کے لئے شرعی احکامات نازل ہوئے۔ اور اگر لفظ 'شہید' کہا جاتا ہے تو اس سے یہی شہادت مراد ہوتی ہے اور یہی حقیقی شہید ہے۔ جہاں تک ایسے شخص کی بات ہے جو مثال کے طور پر باغیوں کے خلاف جنگ میں مارا جائے، تو وہ شہید نہیں ہے۔ ایسے ہی وہ شخص جو کافروں کے خلاف جنگ میں زخمی ہو جاتا ہے اور پھر اس کے زخم بھر جاتے ہیں لیکن پھر وہ انہی سے مر جاتا ہے، وہ بھی شہید نہیں ہے۔ شہید سے متعلق خصوصی احکامات ہیں۔ جہاں تک اللہ سبحانہ وتعالی نے ہمیں آگاہ کیا ہے کہ وہ (شہید) زندہ ہے، یہ کفار کے خلاف جنگ میں اللہ کا کلمہ بلند کرتے ہوئے ہلاک ہونے والے یا کسی ایسی ہی جنگ میں زخمی ہونے کے بعد ان زخموں سے ہلاک ہونے والے کے ساتھ مخصوص ہے۔

مذکورہ شہید کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اسے نہ غسل دیا جائے اور نہ کفن پہنایا جائے بلکہ اسے اپنے خون اور لباس میں ہی دفن کیا جائے۔ احمد نے جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کی جنگ میں مارے جانے والوں کے متعلق فرمایا، **لا تغسلوهم، فإن كل جرح أو كل دم يفوح مسكاً يوم القيامة، ولم يصلِّ عليهم (مسند احمد ۱۴۱۸۹)** "ان کو غسل نہ دو، کیونکہ بیشک قیامت کے دن ہر زخم یا خون سے خوشبو آئے گی، اور ان کی نماز بھی نہ پڑھو"

یہ شہید کے لئے نماز جنازہ نہ پڑھنے کی دلیل ہے۔ ابو داؤد اور ترمذی، انس ابن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں: **أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يصلِّ على قتلى أحد ولم يغسلهم (مسند الشافعي ۵۶۵)** "جو (مسلمان) غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے نہ ان کا جنازہ پڑھا تھا اور نہ ہی انہیں غسل دیا تھا"

شہید کی دوسری قسم: یہ وہ شخص ہے جو آخرت کے اعتبار سے شہید ہے جبکہ اس دنیا کے اعتبار سے نہیں۔ یعنی اس کے لئے آخرت میں شہید کا اجر ہے لیکن اس پر دنیا میں شہید کے احکامات لاگو نہیں ہوتے۔ لہٰذا اسے غسل دیا جاتا ہے، کفن پہنایا جاتا ہے اور نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ بخاری اور مسلم ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **الشهداء خمس: المطعون والمبطون والغرق وصاحب الهدم والشهيد في سبيل الله (بخاری ۲۸۲۹، مسلم ۱۹۱۴)** "پانچ لوگ شہید ہیں: وہ جو وبائی امراض سے ہلاک ہوں، یا پیٹ کی بیماری سے، یا ڈوب کر یا کسی عمارت سے گر کر یا اللہ کے رستے میں لڑتے ہوئے ہلاک ہو جائیں"

شہید کی تیسری قسم: یہ وہ شخص ہے جو اس دنیا کے اعتبار سے شہید ہے لیکن آخرت کے اعتبار سے نہیں۔ لہٰذا اس پر اس دنیا میں شہید کے احکام لاگو ہوں گے جہاں نہ اسے غسل دیا جائے گا نہ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی بلکہ اس کو اس کے لباس میں ہی دفنایا جائے گا۔ یہ وہ تھا جو دکھاوے یا کسی ایسے ہی مقصد کے لئے کفار سے لڑا۔ مسلم نے ابو موسیٰ الاشعری سے روایت کیا ہے:**أن رجلاً أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله، الرجل يقاتل للمغنم، والرجل يقاتل ليذكر، والرجل يقاتل ليُرى مكانه، فمن في سبيل الله؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله»** (مسلم ۱۹۰۴) "ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: یارسول اللہ ﷺ ! ایک شخص مال غنیمت کے لئے لڑتا ہے، ایک اور شخص شہرت حاصل کرنے کے لئے لڑتا ہے اور تیسرا دکھاوے کے لئے لڑتا ہے۔ ان میں سے کون اللہ کے لئے لڑ رہا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جو اس لئے لڑے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، یہ وہ شخص ہے جو اللہ کے لئے لڑتا ہے"

مسلمانوں کے مابین جائز لڑائی کی درجہ بندی:

ا۔ باغی لوگوں کے خلاف لڑنا

باغی لوگ وہ گروہ ہے جو تین امور کے لئے اکٹھا ہوتا ہے۔ حقوق کی انجام دہی اور قوانین کی پابندی سے باز رہ کر ریاست کی اتھارٹی کے خلاف بغاوت کرنا، ریاست کے سربراہ کو ہٹانے کے لئے کام کرنا یا اپنے لئے طاقت اور مضبوطی حاصل کرنا۔ بغاوت کے اندر طاقت کی موجودگی ہی ہے جو انہیں کنٹرول حاصل کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ جہاں تک خروج (نافرمانی

کی وجہ سے نکلنا) کا تعلق ہے، لفظ 'خروج' مسلح بغاوت یا خانہ جنگی یا داخلی لڑائی یا ہتھیاروں کے استعمال یا تشدد کو ان سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرنے کے مترادف ہے جن کیلئے بغاوت ہوئی۔ اہل بغاوت کے حوالے سے فرض یہ ہے کہ ان کو روکنے کے ارادے سے ان کا مقابلہ کیا جائے، اور ان کو منظم کیا جائے اور انہیں خلیفہ کی اطاعت کی طرف لوٹایا جائے۔ ان کو مارنے اور مٹادینے کے ارادے سے ان سے نہیں لڑنا چاہئے۔ ان سے لڑنا صرف ایک نظم وضبط کا معاملہ ہے نہ کہ جنگ چھیڑنے کا ارادہ۔ جو لوگ باغیوں سے لڑتے ہیں وہ شریعت کے مطابق شہید نہیں یعنی وہ دنیا اور آخرت میں شہید نہیں۔ بلکہ وہ صرف آخرت کے اعتبار سے شہید ہیں اور انہیں آخرت میں شہید کا اجر ملے گا۔ جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے، ان پر شہید کے احکامات کا اطلاق نہیں کیا جائے گا اور اسی وجہ سے انہیں باقی فوت شدہ مسلمانوں کی طرح غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا اور ان کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ اگرچہ باغیوں کے خلاف لڑنا جائز سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ اللہ کی راہ میں جہاد نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ بغاوت کرنے والے لوگ کافر ہوں نہ کہ مسلمان۔

۲۔ اقتدار پر قبضہ کرنے والے سے لڑنا

اسلام میں اتھارٹی امت کے پاس ہے اور امت یہ اتھارٹی اس معاہدے کے تحت حکمران کو دیتی ہے کہ حکمران ان پر اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہ ﷺ سے حکومت کرے گا۔ مسلم نے عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ومن بايع إماماً فأعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه استن استطاع ، فإن جاء آخر ينازعه فاضربوا**

عنق الآخر (مسلم ۱۸۴۴) "اگر کوئی شخص امام سے بیعت کرے اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھے اور یہ دل کے اخلاص کے ساتھ کرے تو اسے زیادہ سے زیادہ اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔ اگر کوئی دوسرا آدمی آکر اس سے مقابلہ کرتا ہے تو دوسرے کا سر قلم کر دو"

لہٰذا بیعت ایک خلیفہ کو مقرر کرنے کا طریقہ ہے جبکہ ولی عہدی یا پچھلے حکمران سے اگلے خلیفہ کے لئے عہد لے لینے کو طریقہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ ظلم اور جبر کے ذریعے غالب آنا اور طاقت پر قابو پانا بھی کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اسے اختیار حاصل کرنے والے کی طرف سے امت کے حقوق کے خلاف مظالم (مظلمة) میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس صورتحال میں امت کو حق حاصل ہے کہ اس سے جو غصب کیا گیا تھا اس کی بازیابی کے لئے وہ لڑے۔ جو شخص اس لڑائی میں ہلاک ہوا وہ آخرت کا شہید ہے یعنی اسے آخرت میں شہید کا اجر ملے گا۔ مسند احمد بن حنبل میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ومن قتل دون مظلمته فهو شهيد (مسند احمد ۲۷۷۹)** "جو ظلم کے دفاع میں مرتا ہے وہ شہید ہوتا ہے"۔

شریعت کا حکم یہ ہے کہ اختیار کے غصب کرنے والے سے لڑنا مباح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقوق کے مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے حق و اختیار کو غاصب یا کسی دوسرے کے حق میں چھوڑ دے۔ اور اسی طرح اسے اس حق کے دفاع میں لڑنے کا بھی حق حاصل ہے۔ لہٰذا اگر امت اپنی رضامندی اور مرضی سے اس غاصب کی بیعت کرے تو اتھارٹی کے قبضے کی صورتحال ختم ہو جاتی ہے اور یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ معاملات فطری طور پر چلنا شروع ہو گئے ہیں۔ اگر امت غصب کرنے والے کو بیعت نہیں دیتی تو اس میں دو معاملات ہوں گے۔

اقتدار پر قبضے کی پہلی صورت: امت کا غاصب کے خلاف لڑنے سے انکار کرنا اگرچہ وہ اس پر قادر ہو۔

اس معاملے میں، غاصب کے اقتدار پر قبضہ کرنے کے تین دن بعد امت گناہ میں پڑ جاتی ہے۔ اس لئے کہ شرعی حکم یہ ہے کہ امت کے لئے جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اس حالت میں رہے کہ اس کی گردن پر امام کی بیعت نہ ہو جب کہ وہ اس کی استطاعت رکھتی ہو۔ عمرؓ نے اہل شوریٰ کو تین دن کا وقت دے کر پابند کیا تھا کہ وہ اپنے درمیان سے خلافت کے لئے کسی کو چن لیں ، کیونکہ وہ امت کے نمائندے تھے اور خلافت کے عہدہ پر ان کی رضامندی کے بغیر فیصلہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ پھر عمرؓ نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیا جائے گا جنہوں نے اس سے اتفاق نہ کیا جس پر اکثریت جمع ہو چکی ہو۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی لہٰذا یہ اجماع صحابہؓ ہے۔ لہٰذا، تین دن کے اندر، امت کو یا تو غاصب سے لڑنا پڑتا ہے تاکہ وہ اس شخص کی بیعت کرے جس پر وہ راضی ہو تاکہ اس کے ساتھ مل کر غاصب کے ساتھ لڑے۔ جہاں تک اس غاصب سے راضی ہو جانے اور اسے بیعت دے دینے کا تعلق ہے تو شیخ تقی الدینؒ اپنی کتاب "خلافت" میں کہتے ہیں: "اگر کسی غاصب نے زبردستی اقتدار پر قبضہ کر لیا تو وہ خلیفہ نہیں بن جائے گا، چاہے وہ اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دے"۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں، "تاہم، اگر غاصب لوگوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے مفاد میں ہو گا کہ وہ اسے اپنی بیعت دے دیں اور وہ احکامِ شریعہ کو نافذ کرتا ہے، اور امت قائل ہو جائے اور اس بات کو تسلیم کر لے، پھر اسے اپنی رضامندی اور آزادانہ مرضی سے بیعت دے، تو وہ اس لمحے سے خلیفہ بن

جائے گا جب اسے رضامندی سے بیعت دی جائے گی"۔

اقتدار پر قبضے کی دوسری صورت: امت کا غاصب کے خلاف لڑنے سے انکار اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھے۔

اس معاملے میں، امت پر واجب ہے کہ وہ اس طاقت کو اکٹھا کرنے کی راہ پر گامزن ہو جس سے وہ اس غاصب کا مقابلہ کر سکے اور اسے ہٹا سکے جب تک کہ وہ اس سے بیعت نہ کرنا چاہتی ہو۔ ایسی صورت میں امت سے تین دن سے زیادہ اپنی گردن پر امام کی بیعت نہ ہونے پر مواخذہ نہیں ہے، کیونکہ امت غاصب کی طاقت سے مغلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے: **لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا** (القرآن ۲:۲۸۶) "اللہ کسی پر بھی اس کی وسعت (یعنی استطاعت) سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا"۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **رفع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه (سنن دارقطنی ۴۳۵۱، معجم الصغیر ۷۶۵)** "میری امت پر سے غلطی، بھول چوک اور وہ عمل جس کے کرنے پر اسے مجبور کیا گیا ہو (ان کا مواخذہ) ہٹا دیا گیا ہے"

اقتدار پر قبضہ کرنے والوں کی مثالوں میں سے ایک مثال یزید بن معاویہ کی ہے۔ اس نے جبر کے ذریعہ اپنے لئے بیعت کا عہد لیا، اور جو عہد لوگوں سے زبردستی لیا جاتا ہے وہ باطل ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کے بیشتر نمائندوں نے اسے بیعت دینے سے انکار کر دیا تھا جیسا کہ "تاریخ طبری" میں ذکر ہے۔ عبد اللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ کی بغاوت کی وجہ بھی یہی تھی کہ غاصب سے اختیار لے کر امت کو واپس کیا جائے۔ اقتدار پر قبضہ کرنے والے سے لڑنا ایک جائز حق ہے،

البتہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد نہیں سمجھا جاتا۔ اور یہ بغاوت سے لڑنے کے اندر ایک خاص معاملہ ہے۔

۳۔ راہزنوں اور ڈاکوؤں سے لڑنا

راہزن (المحاربون) یاڈاکو دہشت پھیلانے والے گروہ ہوتے ہیں، مسلمان یاوہ جو مرتد ہوگئے ہوں یاذمیوں میں سے جو بیعت سے نکل گئے ہوں اور انہوں نے لوٹنے، ڈکیتی کرنے یا قتل کرنے یا پھر لوگوں کے درمیان دہشت پھیلانے کی نیت سے اور جو ان کے پاس طاقت اور اسلحہ موجود ہو اس کے بل بوتے پر اپنی گزر بسر شروع کر دی ہو۔ وہ عام طور پر شہروں سے باہر، گاؤں، پہاڑوں، میدانی علاقوں اور صحراؤں میں رہتے ہیں۔

راہزنوں یاڈاکوؤں (المحاربون) کے سلسلہ میں یہ واجب ہے کہ انہیں دین کی نصیحت کے ذریعے ہتھیار ڈالنے اور اپنے آپ کو حوالے کر دینے کی دعوت دی جائے۔ اگر وہ لوٹ آئیں تو انہیں معاف کر دیا جائے گا، ورنہ ان سے لڑا جائے گا۔ ریاست پر یہ واجب ہے کہ وہ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک لڑنے والا دستہ بھیجے اور مسلمانوں پر سے ان کے نقصان کو ہٹائے۔ راہزنوں یا ڈاکوؤں سے لڑنے کو جائز سمجھا جاتا ہے، البتہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد نہیں ہے جب تک کہ وہ راہزن یاڈاکو کافر نہ ہوں۔

۴۔ انفرادی محرمات کے دفاع میں لڑنا (قتال الصیال)

حملہ آور (الصّیال) وہ ہے جو جان، مال اور عزت جیسی انفرادی محرمات پر حملہ کرتا

ہے۔حج الوداع میں راسول اللہ ﷺ کے آخری خطبے میں آتا ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ابو بکرؓ سے روایت ہے: **فإن دماءكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام، كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا في بلدكم هذا، فليبلغ الشاهد الغائب (بخاری ۶۷، مسلم ۱۶۷۹)** "بیشک تمہاراخون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے کے لئے حرام (یعنی مقدس) ہیں جیسا کہ تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینہ میں تمہارے اس شہر (مکہ) میں مقدس ہے، توجو حاضر ہیں وہ غیر حاضر کو آگاہ کر دیں"

یہ انفرادی محرمات ہیں کیونکہ یہ کسی حد تک ہر فرد کے لئے خاص ہیں اور یہ اجتماعی محرمات سے ممتاز ہیں۔

انفرادی محرمات کے دفاع کے لئے لڑنے کی پہلی قسم: جان کے دفاع کے لئے لڑنا اور اس کی تین صورتیں ہیں۔

ا۔جان کے دفاع کے لئے لڑنا فرض ہے اگر حملہ کرنے والا جانور ہو یا کافر یا ایسا مسلمان ہو جس کے خون کی حرمت (یعنی تقدس) نہیں جیسا کہ زانی مسلمان یا وہ جو نماز کو ترک کر دے یا وہ جو راہزنی کرے۔اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: **لَا تُلْقُواْ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى ٱلتَّهْلُكَةِ (البقرہ ۲:۱۹۵)** "اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو"

۲۔جان کے دفاع کے لئے لڑنا مندوب ہے، اور اگر حملہ کرنے والا شخص مسلمان ہے جس کا خون مقدس ہے تو ہتھیار ڈال کر اس سے قتل ہو جانا جائز ہے اگر ایسا کرنا عورتوں اور بچوں

کے خلاف مخصوص زیادتی کا باعث نہ ہو۔ لیکن اگر ایسا ہو تو پھر جان کا دفاع کرنا فرض ہے۔ اسی طرح ہتھیار ڈال کر قتل ہو جانا جائز نہیں ہے اگر ہتھیار ڈالنے والا شخص اہل اقتدار یا علمائے کرام میں سے ہو یعنی ایسی صورت میں کہ ان کے قتل ہو جانے سے امت کے مفاد میں خلل پڑ جائے۔

۳۔ قتل ہو جانے کے لئے ہتھیار ڈال دینا مباح ہے ایسی صورت میں کہ حملہ آور کا ارادہ عوام میں فساد پھیلائے بغیر کسی ایک شخص پر حملے کا ہو۔

انفرادی محرمات کے دفاع کے لئے لڑنے کی دوسری قسم: عزت کے دفاع کے لئے لڑنا۔

عزت کا دفاع بلا اختلاف فرض ہے۔ کبھی دفاع اس عورت کی طرف سے ہوتا ہے جس کی عزت پر حملہ ہونے والا ہوتا ہے، یا اس کے شوہر یا اس کے رشتہ دار یا کسی بھی مسلمان کی طرف سے جو اس سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ عزتیں زمین پر اللہ کی محرمات ہیں اور ان پر حملہ کرنا بدترین برائیوں میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک میں طاقت کے ذریعے ان کو ختم کرنے کے جواز کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے: **من رأى منكم منكراً فليغيره بيده (مسلم ۴۹)** "تم میں سے جو کوئی بھی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے"

انفرادی محرمات کے دفاع کے لئے لڑنے کی تیسری قسم: مال کے دفاع کے لئے لڑنا

الف۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے تحت مال کے دفاع کے لئے لڑنا فرض ہے جیسا کہ عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ومن قتل دون ماله فهو**

شهید (مسلم ۱۴۱) "جو اپنی املاک کا دفاع کرتے ہوئے مرا وہ شہید ہے"۔ یہ ان معاملات میں ہو گا: (۱) مال کسی دوسرے کا حق ہو جیسے لیز (کرایہ پر حاصل شدہ) یا رہن کا مال، (۲) ایسی دولت جو اہم ہے اس شرط پر کہ مال کا دفاع کرنے والا خطرے سے دوچار نہیں ہوتا یا اس کی عزت کو خطرہ لاحق نہیں ہوتا (۳) وہ مال جو کہ دوسروں کا مال ہے۔

ب - دولت کے دفاع کے لئے لڑنا مباح ہے ایسی صورت میں جب حملہ آور کوئی کم اہمیت والی چیز چاہتا ہو جیسا کہ لباس یا کھانا وغیرہ۔ لہذا ایسی صورت میں املاک کا دفاع جائز ہے اور واجب نہیں۔

ج- املاک کے دفاع میں لڑائی چھوڑ دینا فرض ہے اس صورت میں کہ حملہ آور ایک جائز حکمران ہو جو اتھارٹی رکھتا ہو۔ مسلم میں حذیفہ بن یمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **يكون بعدي أئمة لا يهتدون بهديي ولا يستنون بسنتي، وسيقوم فيهم رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمان إنس. قال: قلت :كيف أصنع يا رسول الله إن أدركت ذلك؟ قال: تسمع وتطيع للأمير، وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك، فاسمع وأطع (مسلم ۱۸۴۷)** "میرے بعد وہ لوگ حاکم ہوں گے جو میری راہ پر نہ چلیں گے، میری سنت پر عمل نہیں کریں گے، اور ان میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے دل شیطان کے سے اور بدن آدمیوں کے سے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس وقت میں کیا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو ایسے زمانہ میں ہو تو حاکم کی بات کو سن اور مان اگرچہ وہ تیری پیٹھ پر (کوڑے) مارے اور تیرا مال لے لے پر اس کی بات سنے جا اور اس کا حکم مانتا رہ"

حملہ آوروں سے لڑنا جائز ہے، تاہم یہ اللہ سبحانہ وتعالی کی راہ میں جہاد نہیں جب تک کہ حملہ آور کافر نہ ہو۔ اگر دفاع کرنے والا شخص مارا جاتا ہے تو وہ صرف آخرت کے شہدا میں شامل ہو گا۔

۵۔ایک اسلامی معاشرے میں اجتماعی محرمات کے دفاع کے لئے لڑنا

اجتماعی محرمات پر حملہ دراصل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حقوق پر حملہ شمار ہوتا ہے اگر ان محرمات کی خلاف ورزی سنگین ہو۔ مثال کے طور پر، نماز اور روزہ کی معطلی، خواتین کے لئے شرعی حجاب کی ممانعت، مساجد یا عوامی اداروں کو تباہ کرنا، یا عوامی دولت کو لوٹنا، یا اعلانیہ شراب بیچنا یا پینا ،سود اور جوئے میں ملوث ہونا اور دیگر معاملات جن کے بارے میں شرعی نصوص ان کی فرضیت یا ممانعت کی وضاحت میں آئے ہیں۔

مختلف شرائط پر برائی سے منع کرنے کے احکام:

ا۔ برائی سے روکنا، اصل میں، فرض کفایہ ہے۔ اگر کوئی اس کو انجام دیتا ہے اور مقصد پورا کر دیتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالی کے اس قول کی وجہ سے دوسروں پر سے یہ ذمہ داری ختم کر دی جاتی ہے،**وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (القرآن ۳:۱۰۴)** "اور تم میں سے ایک گروہ ہونا چاہیئے جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کی دعوت دے اور برائی سے منع کرے۔ اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"

۲۔ برائی کو تبدیل کرنا ان کے لئے فرضِ عین بن جاتا ہے جو اس پر قابو پانے کی

استطاعت رکھتے ہوں، اس شرط پر کہ ان کو خوف نہ ہو کہ ان کی انفرادی محرمات کو خطرہ لاحق ہے ۔ اور یہ کہ ان کے منع کرنے سے اس سے زیادہ نقصان نہ ہوتا ہو جو اس برائی سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: **ما من رجل يكون في قوم يُعمل فيهم بالمعاصي، يقدرون على أن يغيروا عليه ولا يغيرون، إلا أصابهم الله منه بعقاب قبل أن يموتوا (ابو داود ۴۳۳۸)** "جس قوم میں گناہ کے کام کئے جاتے ہوں، پھر وہ اسے روکنے پر قادر ہو اور نہ روکے تو قریب ہے کہ اللہ ان سب کو عذاب میں گرفتار کرلے"۔

اگر برائی سے روکنے میں اس سے بھی زیادہ نقصان کا خدشہ ہو جو کہ برائی کرنے والے کو روکنے سے پیدا ہو گا کہ جتنا خدشہ خود اس برائی کے نقصان کا ہے تو ایسی صورت میں شرعی قائدہ "يختار أهون الشربن" یعنی دو برائیوں میں سے کم کو اختیار کرنا کے تحت برائی سے روکنا حرام ہو گا۔

۳۔ اگر برائی سے منع کرنے کا نتیجہ دوسری برائیوں سے ہونے والے نقصان کی صورت میں نہیں نکلتا، ایسی برائیاں جو کہ برے اور غیر اخلاقی لوگوں کے برائی سے منع نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں، تو ایسی صورتحال میں برائی سے منع کرنا مندوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ومن قتل دون دينه فهو شهيد (سنن بیہقی ۱۶۷۷۷)** "جو شخص اپنے دین کو بچاتے ہوئے قتل ہوا وہ شہید ہے"

۴۔ اگر برائی سے منع کرنے کا نتیجہ اس کے اور اپنے اردگرد کے دوسرے لوگوں جیسے رشتہ داروں، دوستوں اور دیگر شہریوں کو انتہائی نقصان پہنچنے کی صورت میں نکلتا ہے تو اس کے

پاس ان دو باتوں کا اختیار ہے:

الف- برائی پر خاموش رہنا، جو کہ برائی سے روکنے کو ترک کرنے کے حرام میں پڑ جانا ہے۔

ب۔ برائی سے روکنا جس سے اس شخص کو سخت نقصان لاحق ہو، جو کہ اس کے آس پاس کے لوگوں کو بھی ہو سکتا ہو۔

اگر دوسرے لوگ جن کو نقصان پہنچے گا وہ اس طرح کے نقصان سے مطمئن ہیں، تو برائی سے روکنا مندوب ہے۔ اگر ان کو ایسا نقصان پہنچتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ قتل ہو جائیں تو وہ آخرت کے اعتبار سے شہید ہیں اور برائی سے منع کرنے کا حکم ان پر بھی لاگو ہوتا ہے اور اگر وہ چاہیں تو اسے چھوڑنے کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا حرام ہے اور برائیوں پر خاموش رہنا بھی حرام ہے۔

۵۔ اگر وہ شخص جو برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے وہ زمین پر اہلِ اقتدار میں سے ہے تو اس معاملہ کو شرعی نصوص میں اس طرح واضح کیا گیا ہے:

الف- واجب ہے کہ شروع میں حکمران کو برائی سے منع کرنے کے لیے نرم الفاظ میں وعظ و نصیحت کی جائے۔ مسند احمد میں عیاض بن غنمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من كانت عنده نصيحة لذي سلطان فلا يكلمه بها علانية، وليأخذ بيده فليخل به، فإن قبلها قبلها وإلا كان قد أدى الذي عليه والذي له (مسند احمد ۱۵۳۳۳)**

"جو کوئی بھی کسی ایسے شخص کو نصیحت کرنا چاہے جس کے پاس اقتدار ہو تو اسے ایسا کھلے عام نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کو چاہیئے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے خلوت میں لے جا کر نصیحت کرے۔ اگر وہ (صاحب اقتدار شخص) نصیحت قبول کرلے تو بالکل ٹھیک۔ اگر نہ کرے تو ایسے شخص نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی"۔

ب- حکمران کو برائی سے منع کرتے ہوئے الفاظ میں سختی اختیار کرنا مندوب ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کے محرمات کے احترام کا احساس دلانا اور حکمران کو اس کی برائی کی ہولناکی کا احساس دلانا ضروری ہے۔

ج- حکمران کو برائی سے روکتے ہوئے ایسی صورت میں الفاظ میں سختی کا استعمال ممنوع ہے، اگر اس کا نتیجہ دوسرے افراد کو نقصان پہنچنے کی صورت میں نکلے اور اگر وہ اس نقصان پر راضی نہ ہوں جو انہیں پہنچ سکتا ہے۔

د- جب حاکم برائی کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے ٹھیک کرنے کے لئے اس کو مارنا (چوٹ پہنچانا) حرام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حاکم پر حملہ کرنا اس وقار کے منافی ہے جو شرعی نصوص نے اسے دینے کا حکم دیا ہے۔ اس سے حاکم موجودہ برائیوں سے کہیں زیادہ خوفناک فسادات کرنے پر راغب ہو سکتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس کا نتیجہ موجودہ برائی کو ختم کرنے کی صورت میں نہ نکلے، بلکہ اس سے مزید فساد کا اضافہ ہو۔

و۔ مادی قوت (ہتھیاروں) کا استعمال اور بغاوت حرام ہے اگر وہ حاکم کو کسی غیر اخلاقی

فعل کرنے یاناانصافی کرنے یا کوئی غیر شرعی حکم جاری کرنے کی طرف منحرف کرے۔

عوامی محرمات کے دفاع کے لئے لڑائی جہاد کے ضمرہ میں نہیں آتی، بلکہ یہ ایک اور جائز عمل ہے جس کا بدلہ بھی بہت اچھا ہے۔ یہ اپنے اثر اور اجر میں جہاد کی طرح ہے، اور جو لوگ اس کو انجام دیتے ہیں یعنی جو لڑنے والے یہ جدوجہد کرتے ہیں اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہیں وہ اس کے نتیجے میں بہت بڑا اجر حاصل کرتے ہیں۔ اگر معاشرہ غیر اسلامی ہو چکا ہو تو یہ فرض ہے کہ فکری اور سیاسی جدوجہد سے خلافت راشدہ کے قیام کے ذریعے اس نظام کو تبدیل کیا جائے جو زمین سے تمام منکرات کو دور کر دے۔ البتہ جو لوگ منکرات کو قوت سے روکنے کی استطاعت رکھتے ہیں ان کے لیے قوت کا ستعمال جائز ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے: **من رأى منكم منكراً فليغيره بيده... (مسلم ۴۹)** "تم میں جو کوئی بھی برائی کو دیکھے، اسے چاہئے کہ اسے اپنے ہاتھ سے بدلے"۔ لیکن ایسی صورتحال کا درست علاج نبی ﷺ کے طریقہ کار کی پابندی کرتے ہوئے ایک فکری اور سیاسی جدوجہد جاری کرنا ہے تا کہ نظام کو مٹایا جائے اور خلافت کو قائم کیا جائے جو تمام برائیوں اور مفاسد کی ہر نوعیت کو ختم کرتی ہے۔ (جاری ہے)

ختم شد

"واحد قومی نصاب"(SNC)ہمارے بچوں کے اذہان کو دنیا کے متعلق سیکولر مغربی نقطۂ نظر سے زہر آلود کر رہا ہے جبکہ ہمیں دھوکہ دینے کے لیے اس میں کچھ اسلامی مواد بھی شامل کیا گیا ہے

اگرچہ پاکستان کے حکمرانوں نے اس بات کی بہت تشہیر کی کہ" واحد قومی نصاب"(SNC) 2020 میں "قرآن و سنت کی تعلیمات" کو بھی شامل کیا گیا ہے جبکہ حقیقت میں یہ نصاب اسلام کو کچلنے کے لیے ایک انتہائی خطرناک استعماری منصوبہ ہے۔" واحد قومی نصاب" اس فہم کو زہر آلود کرتا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور حکمرانی کے لیے قرآن و سنت ہی واحد ماخذ ہیں۔ "واحد قومی نصاب" کی تمام تر بنیاد "SDG-4 کے اہداف اور مقاصد سے ہم آہنگی"(Alignment with the goals & targets of SDG-4) پر مبنی ہے، جیسا کہ پاکستان کی وفاقی وزارت برائے تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت نے اپنی دستاویزات میں خود بیان کیا ہے۔ پائیدار ترقی کے اہداف(Sustainable Development Goals-SDG-4)کا مقصد ہماری تعلیم کو اقوامِ متحدہ کے مخصوص ادارے UN DESA کے تصور کے مطابق ڈھالنا ہے۔ ہمارے دین کے نقطۂ نظر سے اس کا سب سے خطرناک ہدف ایس ڈی جی ہدف نمبر 4.7 ہے جس کا مقصد ہمارے بچوں کے جذبات و میلانات (نفسیت) کی تشکیلِ نو ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مذہب، معاشرے، سیاست اور عالمی امور کے متعلق طلبہ کے نقطۂ نظر کو مغربی اقدار کے مطابق ڈھالنا ہے۔

استعماری منصوبے کا ہدف یہ ہے کہ مسلم دنیا میں اسلام کی بھی وہی حیثیت ہو جو مغربی معاشرے میں عیسائیت کی ہے یعنی دین کو ذاتی زندگی تک محدود کر دیا جائے اور اجتماعی زندگی، ریاست اور آئین سے دین کا کوئی تعلق نہ ہو۔ تعلیم کے لیے استعمار کا یہ منصوبہ اُس وقت پیش کیا گیا ہے جب مسلم معاشروں میں اسلام کی بنیاد پر حکمرانی، اسلامی ریاست، خلافت اور امت کی یکجہتی پر وسیع پیمانے پر بحث ہو رہی ہے۔ یہ استعماری منصوبہ اُس وقت سامنے آیا ہے جب امت استعمار کے تشکیل کردہ بین الاقوامی آرڈر کو مسترد کر رہی ہے، وہ استعماری آرڈر کہ جس کے نتیجے میں امت کی سرزمینیں مقبوضہ ہو گئیں، اُس کے دین کو نشانہ بنایا جا رہا ہے اور اُس کی دولت کو لُوٹا جا رہا ہے۔ اسلامی نشاۃِ ثانیہ کے سورج کو طلوع کے قریب دیکھتے ہوئے استعمار اس بات کی زبردست کوشش کر رہا ہے کہ امتِ مسلمہ استعمار کی مخالفت کو ترک کر دے اور اس شیطانی مقصد کے حصول کے لیے استعمار بے دریغ پیسہ بہا رہا ہے۔ 'ایس ڈی جی ہدف 4.7' اور 'سماجی و جذباتی تربیت نمبر 1' کو باہم مربوط کر کے اسے تعلیمی مواد (NISSEM) کی شکل دینے کے متعلق دستاویز میں استعماریوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ "مالی امداد دینے والے اُن سرگرمیوں پر خرچ کرنے کے لیے تیار ہیں جن سے مستقبل کے تنازع کے امکانات میں کمی ہوتی ہو"۔

اقوام متحدہ کے ایس ڈی جی ہدف 4.7 کی اندھی تقلید کرتے ہوئے بنایا جانے والا "واحد قومی نصاب" (SNC) امت کی اجتماعی زندگی کے متعلق اسلامی تصورات کی جڑیں کاٹتا ہے۔ "واحد قومی نصاب" اس اسلامی تصور، کہ تمام مسلمان ایک واحد امت ہیں، کی جگہ علاقے اور نسل کی بنیاد پر قومیت کے مغربی سیاسی تصور کی ترویج کرتا ہے جو امت کو تقسیم اور کمزور کرنے کا باعث

ہے۔ جماعت چہارم اور پنجم کی کتاب معاشرتی علوم کے لیے بنائے گئے نصاب میں یہ کہا گیا ہے کہ "اس نصاب کا ہدف وطن پرستی کو پروان چڑھانا ہے"۔ اس میں یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ طلباء لازم طور پر اس قابل ہونے چاہییں کہ وہ" پاکستانی ہونے پر فخر اور وطن سے محبت کی وجوہات کو بیان کر سکیں"۔

تاہم نیشنل ازم، وطن پرستی اور فرقہ واریت کو اسلام نے رد کیا ہے، جنہوں نے امت کو تقسیم کر رکھا ہے، اور یہ سب امت کے بچوں کے لیے درست ربط و تعلق نہیں ہیں۔ درست ربط تعلق اسلام کی آئیڈیالوجی کا ہے جو تمام مسلمانوں کو اسلامی بھائی چارے کی لڑی میں پرو دیتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًاۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا** "اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا" (آل عمران، 3:103)۔ اس کی بجائے اسلام کو چھوڑ کر کسی بھی دوسری چیز کو اجتماعی طور پر مسلمانوں کے درمیان ربط و تعلق کے لیے بنیاد بنانا بہت بڑا گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **مَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِّيَّةٍ يَدْعُو عَصَبِيَّةً أَوْ يَنْصُرُ عَصَبِيَّةً فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ** "جو شخص اندھی تقلید میں کسی کے جھنڈے تلے مارا گیا، جو (رنگ، نسل، علاقے کی

)عصبیت کی دعوت دیتا تھا اور عصبیت کی مدد کرتا تھا، اس کی موت جاہلیت کی موت ہے"(مسلم)۔

مزید یہ کہ "واحد قومی نصاب" (SNC) مغربی نظامِ حکومت یعنی جمہوریت کی ترویج کرتا ہے، جہاں قوانین انسانوں کی خواہشات اور مرضی کے مطابق بنائے جاتے ہیں اور یہ اسلام کے نظامِ حکمرانی یعنی خلافت کے خلاف ہے کہ جس میں حکمرانی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ معاشرتی علوم کے نصاب کے سیکشن 1.7 "معاشرتی علوم کے موضوعات برائے جماعت چہارم اور پنجم" میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ طالب علم کو لازمی طور پر "ریاست اور حکومت کی تعریف اور جمہوریت" کے متعلق پڑھایا جائے۔ معاشرتی علوم کا نصاب اس بات پر زور دیتا ہے کہ طالب علم لازماً "سب سے مقبول طرزِ حکمرانی جمہوریت کے تصور کی وضاحت کریں اور یہ کہ کیوں جمہوریت کو ترجیح حاصل ہے"۔

جمہوریت کا قابل ترجیح حکومتی نظام کہلانے کے لائق نہ ہونا تو اپنی جگہ، اسلام جمہوریت کو مکمل طور پر مسترد کرتا ہے۔ جمہوریت ایک طاغوت ہے، یہ وہ طرزِ حکمرانی ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی کے ذریعے حکمرانی نہیں کی جاتی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نہ صرف طاغوتی نظامِ حکمرانی کا حصہ بننے کو حرام قرار دیا ہے بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کا سختی سے انکار کریں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا** "کیا تم

نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) (اے محمد ﷺ) آپ پر نازل ہوئی ہے اور جو (کتابیں) آپ سے پہلے نازل ہوئیں، ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اللہ کے علاوہ کسی اور سے فیصلہ کرائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اس کا انکار کریں اور شیطان (تو یہ) چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر رستے سے دُور ڈال دے" (النساء:4:60)۔ جمہوریت میں قوانین پارلیمنٹ میں بیٹھے مرد و خواتین کی خواہشات و مرضی کے مطابق بنائے جاتے ہیں جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ، **وَأَنِ ٱحْكُم بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَٱحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ** "اور (اے محمد ﷺ) جو (قانون) اللہ نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشات کی پیروی کبھی نہ کرنا اور ان سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں آپ کو بہکا نہ دیں" (المائدہ، 5:49)۔ لہٰذا خلافت میں وہی قانون نافذ کیا جا سکتا ہے جو قرآن و سنت سے اخذ کردہ ہو۔

"واحد قومی نصاب" (SNC) باطل کو مسترد نہیں کرتا بلکہ یہ باطل کی عزت و تکریم پیدا کرے گا۔ جماعتِ اوّل سے پنجم تک کے لیے انگریزی کا نصاب محض انگریزی زبان سیکھنے کے عمل تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں حق و باطل کو باہم خلط ملط کیا گیا ہے۔ انگریزی کے نصاب کا ہدف پانچ مہارتیں پیدا کرنا ہے جس میں سے پانچویں مہارت سب سے خطرناک ہے جو کہ باقی چار مہارتوں میں بھی شامل کی گئی ہے۔ مہارت 5: مناسب اخلاقی اور سماجی ترقی (C5,S1) میں نصاب یہ لازم قرار دیتا ہے کہ طلباء لازمی طور پر خود میں "رواداری، احترام، برابری" کی خصوصیات پیدا

کریں۔ انگریزی کا نصاب مزید اس بات پر زور دیتا ہے کہ تعلیمی مواد لازمی "ثقافتی غیر جانبداری کا مظاہرہ کرے اور اس میں ایسا کوئی مواد نہیں ہونا چاہیے جو جانبدار یا متعصب ہو"۔ لہٰذا انگریزی کا نصاب یہ بات ثابت کرنا چاہتا ہے کہ سب مذاہب اور تمام ثقافتیں برابر ہیں اور طلباء کی نظروں میں ایک جیسی عزت اور قدر کی حق دار ہیں، تاکہ طلباء کے لیے اسلام پر عمل کرنا چھوڑ کر غیر اسلامی طرزِ زندگی اختیار کرنا آسان ہو اور اس میں انہیں کوئی برائی نظر نہ آئے اور نہ ہی وہ پشیمانی محسوس کریں۔

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں ایک مکمل دین سے نوازا ہے جو مسلمانوں میں ایک واضح طرفداری اور میلان کو جنم دیتا ہے تاکہ وہ تمام معاملات کو صرف اور صرف اسلام ہی کے پیمانے سے پرکھیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ " اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ، اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ"**(البقرۃ، 2:42)۔ اسلام اس نقطۂ نظر کو غلط قرار دیتا ہے کہ جو ایمان نہیں رکھتے وہ ایمان والوں کے برابر ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ "اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں۔ اہلِ بہشت تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں"**(الحشر، 59:20)۔ اسلام باطل کو مسترد کرتا ہے اور اسے اسلام کی سچائی سے مٹانے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ "بلکہ ہم حق کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور باطل نابود ہو جاتا ہے"**(الانبیاء، 21:18)۔ لہٰذا انفرادی اور اجتماعی دونوں

زندگیوں میں اسلام نے امتِ مسلمہ کے لیے بالکل واضح معیار مقرر کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام ہی واحد سچا دین ہے اور باقی تمام مذاہب، نظریات، آئیڈیالوجیز اور طرزِ زندگی، باطل اور جھوٹ ہیں۔

"واحد قومی نصاب"(SNC) جہاں ایک طرف کفریہ افکار سے احتیاط برتنے اور اس کے خلاف حفاظتی دیوار کو کمزور کرے گا وہیں یہ نصاب زندگی کے اعمال، حرام و حلال اور اخلاقیات کے لیے اسلام کی بنیاد کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ جماعت اوّل سے سوئم کے لیے معلوماتِ عامہ کے نصاب 2020 میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اخلاقیات ایسی چیز ہیں جو تمام مذاہب میں یکساں ہیں، یوں حلال و حرام اور اخلاقیات کے حوالے سے اسلام کے منفرد تصور کو مجروح کیا گیا ہے۔ نصاب کہتا ہے کہ اخلاقی اقدار اسلام کی اصل روح ہیں اور یہ اخلاقی اقدار تمام مذاہب میں مشترک ہیں۔ اس طرح سے اس نصاب نے اسلام اور کفر کو ایک ہی سطح پر کھڑا کر دیا ہے۔ اخلاقی اقدار کا نظریہ ایک مغربی تصور ہے جہاں اقدار کا تعین انسان کے عقلی مباحث کی بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے، اس طور پر کہ کونسا اخلاقی رویہ فائدہ مند دکھائی دیتا ہے اور کونسا نقصان دہ معلوم ہوتا ہے۔ یوں مغرب کے تصورِ اخلاقیات کے نتیجے میں اخلاقی رویے مستقل و پائیدار نہیں ہوتے اور منافقت جنم لیتی ہے کیونکہ اخلاق کا یہ مغربی تصور اخلاقیات کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بنانے کی بجائے انہیں ذاتی نفع و نقصان سے منسلک کرتا ہے۔

اسلام میں مسلمان کسی بھی اخلاقی قدر کے حصول کے لیے اس لیے آگے بڑھتا ہے کہ یا

تو اس نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کسی حکم پر عمل کرنا ہے یا کسی عمل سے رکنا ہے۔ اخلاقی اقدار اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعے حاصل کی جاتی ہیں چاہے یہ انفرادی عبادت ہو یا اجتماعی معاملات ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ "کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے"** (العنکبوت، 29:45)۔ اسلام نے تجارت میں ایمان داری، گواہی میں سچائی، والدین کے ساتھ عزت، بچوں کے ساتھ شفقت، ملاقات پر خوشی کے اظہار، ضرورت مندوں پر فراخ دلی سے خرچ کرنے اور میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ بہادری سے کرنے کی تعریف کی ہے۔ اخلاقیات کا تعلق اسلام کے بیان کردہ حلال و حرام پر عمل کرنے سے ہے۔ اس طرح اچھے اخلاق ایک مسلمان کی مستقل صفت بن جاتے ہیں اور وہ اس کے ذاتی فائدے اور ممکنہ نقصان کی بنا پر تبدیل نہیں ہوتے۔

اور یہ سب کچھ کم نہ تھا کہ "واحد قومی نصاب" (SNC) اسلام کے متعلق ہمارے بچوں کے احساسات کو بھی تبدیل کرنے کے درپے ہے۔ "واحد قومی نصاب" اسلامی میلانات اور اسلام کی بنیاد پر پسند و ناپسند کے رجحان کو کھوکھلا کرنا چاہتا ہے کہ جو اس خطہِ برصغیر میں اسلام کی صدیوں کی حکمرانی کے نتیجے میں تشکیل پایا تھا۔ جماعت اول 2020 کے لیے نصاب برائے "ابتدائی بچپن کی دیکھ بھال اور تعلیم" کے سیکشن 2.4 "ذاتی اور معاشرتی اور جذباتی تعمیر" کے ذریعے "واحد قومی نصاب" ہمارے سب سے ننھی عمر کے بچوں کے خالص اسلامی جھکاؤ کو زَک پہنچاتا ہے۔ اسلام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت سے محبت کرنے کے مضبوط جذبے کی تعمیر کرتا ہے، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی سے سخت نفرت پیدا کرتا ہے تاکہ انسان میں ایسی زندگی گزارنے کا رجحان پیدا ہو کہ وہ ہر

معاملے میں اللہ کی مرضی کے مطابق عمل کرنے میں ہی خوشی محسوس کرے۔ لیکن "ابتدائی بچپن کی دیکھ بھال اور تعلیم" کے متعلق نصاب اس بات پر زور دیتا ہے کہ طلباء لازمی طور پر اپنے مذہب سے قطع نظر دوسروں کے احساسات اور نظریات کو عزت دیں"۔

تاہم واحد تعلیمی نصاب اس تمام کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے اگرچہ اسلام ایسے نظریات اور احساسات کے لیے عزت کے جذبات پیدا نہیں کرتا جو گناہ، کفر اور نافرمانی پر مشتمل ہوں۔ یقیناً اسلام ان سے محبت کرنے کا درس دیتا ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور بدکار شخص سے نفرت کرنے کا درس دیتا ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **إِنَّ اَللَّهَ يُبْغِضُ اَلْفَاحِشَ اَلْبَذِيءَ "یقیناً اللہ بدگو اور بدزبان شخص سے نفرت کرتا ہے"** (ترمذی)۔ اسلام لازم کرتا ہے کہ تمام رجحانات اور پسند اور ناپسند کی بنیاد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ "تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات اُن احکامات کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں"** (النووی)۔

اے پاکستان کے مسلمانو، اس کے طلباء، اساتذہ، والدین اور خاص طور پر ماہرین تعلیم!

اقوام متحدہ کے ایس ڈی جی ہدف 4.7 کی کامل پیروی کرتے ہوئے بنایا جانے والا "واحد قومی نصاب" ہماری مستقبل کی نسل پر ایک استعماری حملہ ہے۔ یہ نصاب دین کو زندگی کے معاملات سے جدا کر دینے کی تلقین کرتا ہے جبکہ اسلام ایک فرد اور معاشرے دونوں کے لیے

واحد صحیح پیمانہ ہے۔ "واحد قومی نصاب" نے اسلام کو دیگر مذاہب کے برابر کھڑا کر دیا ہے جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بتادیا ہے کہ اسلام ہی واحد دینِ حق ہے۔ یہ نصاب اسلامی امت کو زبان، نسل اور زمین کی بنیاد پر تقسیم کرنے کی بات کرتا ہے جبکہ اسلامی امت اور اس کی خلافت کی طاقت، اسلام کی بنیاد پر امت کے ایک ہونے میں ہے۔ یہ نصاب جمہوریت کے ذریعے انسانوں کے بنائے ہوئے ناقص قوانین کی بنیاد پر حکمرانی کی دعوت دیتا ہے جبکہ اسلام کا طرزِ حکمرانی صرف خلافت ہے۔

یقیناً "واحد قومی نصاب" ایک مشاہدہ کرنے والے کو استعماری دور میں جو کچھ رونما ہوا ،اس کی یاد دلاتا ہے جب انگلش ایجوکیشن ایکٹ 1835 سامنے لایا گیا اور استعماری تھامس بیبِنگٹن میکالے(Thomas Babington Macaulay)نے تعلیم کے متعلق اپنی مشہور دستاویز پیش کی جس میں اس نے کہا تھا کہ ضرورت ہے ایک "ایسے طبقے کو پیدا کرنے کی جو رنگ و نسل میں ہندوستانی ہو لیکن پسند و ناپسند، رائے، اخلاقیات اور عقل کے لحاظ سے انگریز ہو"۔ ایک مومن کے لیے یہ بات حیران کن نہیں کہ استعماریوں کے لیے سب سے پریشان کن بات ہماری اسلام سے محبت اور اس پر عمل کرنے کی خواہش ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلان کر چکا ہے، **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ** **"جو لوگ کافر ہیں اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکیں"**(الانفال، 8:36)۔ آج کافر استعمار اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ ہماری آنے والی نسلیں ان کے کرپٹ

افکار، اقدار اور منصوبوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خبر دار فرمایا ہے، **وَلَن تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى "اور یہودی وعیسائی تم سے کبھی راضی نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تم ان کے مذہب کی پیروی اختیار نہ کرلو۔(ان سے) کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت (یعنی دین اسلام) ہی ہدایت ہے"**(البقرۃ،2:120)۔

جہاں تک پاکستان کے حکمرانوں کا تعلق ہے تو یہ ہمارے دین سے بہت دُور ہیں اور مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق استعماری منصوبوں کو کامیاب بنانے کے لیے کام کررہے ہیں۔ یہ حکمران دکھاوے کے طور پر اپنی زبان سے ہمارے دین کی تعریف کرتے ہیں جبکہ یہ گناہوں کے فروغ، اللہ کی نافرمانی اور کفر کی ترویج کو یقینی بنارہے ہیں اگرچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلا يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ "اگر تم کفر کروگے تو اللہ تم سے بے پروا ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا"**(الزمر، 39:7)۔ درحقیقت پاکستان کے حکمران بار بار یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہم اپنی اور اپنے دین کی حفاظت میں ڈِھیلے پڑ جائیں تاکہ ہمارے خلاف استعمار کا ہر منصوبہ یقینی طور پر کامیاب ہو جائے، چاہے اس منصوبے کا تعلق ہماری سرزمین، دولت یا حتیٰ کہ ہمارے دین پر حملہ کرنے سے ہو۔

ہم سب پر لازم ہے کہ ہم حکمرانوں کی اللہ سے نافرمانی اور گمراہی کو مسترد کردیں۔ ہم سب پر لازم ہے کہ اپنے دین سے مضبوطی کے ساتھ جڑے رہیں اور نبوت کے نقشِ قدم

پر اسلامی ریاستِ خلافت کے قیام کی جدوجہد کریں جو ہمارے دین کی حفاظت کرے گی۔ خلافت ایسی تعلیمی پالیسی نافذ کرے گی جو فقہ سے لے کر طب تک، انجینئرنگ سے لے کر ٹاؤن پلاننگ تک، زندگی کے ہر شعبے میں جدّت اور تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھائے گی۔ ایک ایسے وقت میں جب دنیا مغربی سرمایہ داریت کے ناکام نظام کے بوجھ تلے کچلی جارہی ہے، خلافت ایک بار پھر دنیا میں بیداری پیدا کرے گی جیسا کہ وہ اس سے پہلے بھی دنیا کو کئی صدیوں تک اپنی روشنی سے منور کرتی رہی ہے اور اسی نے یورپ کے لوگوں کو متاثر کر کے انہیں قُرُونِ وُسطیٰ کے تاریک گڑھے سے نکالا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ" اور اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو"** (البقرۃ، 2:143)۔

12 محرم 1442 ہجری

یکم ستمبر 2020ء

حزب التحریر

ولایہ پاکستان

ختم شد

سوال وجواب : کانفرنسوں، مظاہروں، اور سیمینارز کے متعلق، کیا حزب التحریر اپنا طریقہ بدل چکی ہے؟

سوال :اُم عکاشہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ہمارے معزز شیخ عطابن خلیل ابوالرشتہ

میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی خاطر کی جانے والی عظیم کوششوں میں اللہ آپ کی مدد فرمائے اور آپ کے ذریعے ان کوششوں کے نتیجے میں اسلامی ریاست کا قیام عمل میں لائے۔

کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ خلافت کو قائم کرنے کے لیے پارٹی نے اپنا طریقہ کار تبدیل کرلیا ہے اور فکری جماعت ہونے کے ناطے کانفرنسوں کا انعقاد مناسب نہیں ہے۔۔۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔(اختتام)

ب:نونا امر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

میرا ایک سوال ہے، اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھے جواب دیں گے۔ الشیخ العالم تقی الدین رحم اللہ علیہ سے تبنی شدہ ہے کہ انہوں نے مظاہرے کرنے سے انکار کیا تھا۔۔۔اور اب

ہم دیکھتے ہیں کہ مظاہرے بڑے پیمانے پر کیے جارہے ہیں اور آپ خود انہیں منظم کررہے ہیں۔ کیا آپ کے اس عمل کی کوئی شرعی دلیل موجود ہیں؟ والسلام علیکم۔(اختتام)

پ:وسیم کردغلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دولت اسلامیہ کے صفحہ 236 میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے، "خلافت کے قیام کے لیے کانفرنسوں کا انعقاد کرنا از خود اسلامی ریاست کے قیام کا کوئی طریقہ نہیں ہے..."میرا سوال الشیخ یہ ہے کہ جماعت کیوں ایسی کانفرنسوں اور سیمیناروں کا انعقاد کرتی ہے جبکہ اس کی کتابوں میں اس طرح کے اقدامات کرنے سے انکار کیا گیا ہے... براہ کرم اس معاملے کو واضح کریں تاکہ ہماری الجھن دور ہو سکے۔(اختتام)

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے سوالات موضوع کے لحاظ سے ایک جیسے ہیں۔ ان کا تعلق کانفرنسوں، مظاہروں اور سیمینار سے ہے اور کیا پارٹی نے خلافت کے قیام کے لیے اپنا طریقہ تبدیل کرلیا ہے

معزز بھائیو اور بہنو، اس کا جواب یہ ہے کہ جماعت نے اپنے طریقہ کار کو بالکل بھی تبدیل نہیں کیا کیوں کہ یہ اللہ رب العزت کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کی سنت سے صحیح طور پر اخذ شدہ ہے، اور اس کو بات واضح اور غیر مبہم پر ہماری کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ان تمام مراحل کو جیسا کہ ثقافتی

دور، عوام سے تفاعل کا دور اور اہلِ اقتدار سے نُصرہ طلب کرنا۔۔۔ ان سب کو ہماری کتابوں میں شرعی دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ہم لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں، اور وہ لوگ جو ہماری دعوت پر قائل ہو جاتے ہیں ہم انہیں حزب میں شامل کرتے ہیں اور وہ حزب کے شباب کا حصہ بن جاتے ہیں۔۔۔ نیز ہم ایسے اعمال کرتے ہیں جن سے خلافت کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کیا جا سکے۔۔۔ اور اہلِ اقتدار سے نُصرہ کا مطالبہ کرتے ہیں تاکہ اسلامی ریاست کو قائم کیا جا سکے (باذن اللہ)

ریاست کے قیام کے لئے یہ طریقہ، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، صحیح طریقہ اجتہاد سے اخذ کیا گیا ہے اور اسے آقا علیہ السلام پر پہلی وحی کے نزول سے لے کر مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام تک کے دورانیے سے لیا گیا ہے؛ یعنی ثقافتی دور، ایک پارٹی کو تشکیل دینا، اور ایسے اعمال کرنا جن کے ذریعہ امت کے ساتھ تفاعل کر کے عوامی آگاہی سے پیدا ہونے والی رائے عامہ کو تشکیل دیا جا سکے، اور پھر اہل اقتدار لوگوں سے نصرہ طلب کرنا۔۔۔

ایسا لگتا ہے کہ الجھن اس وقت پیدا ہوئی جب سوال کرنے والوں نے **دو اعمال یعنی تفاعل کے دوران عوامی رائے عامہ ہموار کرنا اور ریاست کے قیام کے مابین اختلاط کر دیا ہے** اس الجھن کو مندرجہ ذیل نکات سے واضح کیا جاتا ہے:

1۔ اگر یہ پوچھا جائے کہ تفاعل کے مرحلے کے دوران عوامی رائے عامہ ہموار کرنے کے کونسے اعمال ہیں، تو اس کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ اسلامی افکار اور اس کے احکام پر مبنی وہ تمام اعمال جو امت کے ساتھ تفاعل کا باعث بنتے ہیں جیسا کہ لیکچرز، سیمینارز، کانفرنسیں اور

مظاہرے جن کا ہم انعقاد کرتے ہیں۔۔۔ اگر ہم ان کا انعقاد کرنے کے قابل ہوں۔۔۔ اور اسی طرح کے کئی اور اقدامات۔۔۔

لہذا آقاعلیہ السلام نے لوگوں کو صفا کے مقام پر اکٹھا کیا اور ان سے خطاب کیا: الف:

• بخاری ابنِ عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی--(و **أَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ**)--**اور ڈراؤ (اے محمد) اپنے قریبی رشتے داروں کو**(الشوریٰ-214) ۔ تو آقاعلیہ السلام کوہ صفا پر چڑھے اور اونچی آواز میں پکارنا شروع کیا-- **(يَا بني فِهرٍ، يَا بني عَذِيٍّ)**-- اے بنو فہر، اے بنو عدی یہاں تک کہ تقریباً قریش کے سارے قبیلے جمع ہو گئے اور جو نہیں آسکا تو اس نے اپنی جگہ کسی اور کو بھیج دیا اور پھر اس کے بعد ابو لہب اور قریش کے لوگ جمع ہوئے۔ پھر آقاعلیہ السلام نے لوگوں سے کہا--**(أَرَأَيْتَكُمْ لَأَخْبرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بالوادِيّ تُزِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ، أَكُنْتُمْ مُصَدقِيَ)**--**اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے ایک فوج تم پر حملہ کرنے کے لیے تیار کھڑی ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کر لو گے** ؟ تو انہوں نے جواب دیا جی ہاں؛ ہم نے ہمیشہ آپ کو سچا ہی پایا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے کہا--**(فَإِنِي نَذِيرلَكُمْ بيْن يَديْ عَذَابٍ شَديد)**--**تو میں آپ لوگوں کو ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔** اس پر ابو لہب نے جواب دیا کہ کیا تو نے ہمیں اس کام کے لیے بلایا تھا؟ تُو ہلاک ہو۔ پھر یہ وحی نازل ہوئی--**(تَبتْ يَدا أَبِي لَهب وتب مَا أَغْنَى عَنْه مَالُه ومَا كَسَب)**--**ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں نہ تو اس کا مال اس کو بچا پائے گا اور نہ وہ جو اس نے کمایا ہے۔**

• اسی طرح مسلم ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی --(و

أَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ)--**اور ڈراؤ (اے محمد) اپنے قریبی رشتے داروں کو** (الشوریٰ-214)۔ رسول اللہ ﷺ کوہِ صفا پر چڑھے اور اونچی آواز میں پکارنا شروع کیا--(**يَا صَبَاحَاهْ**)--لوگوں نے پوچھا یہ کون پکار رہا ہے؟؟ تو انہوں نے کہا: محمد۔ جب وہ لوگ جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے کہا--(**يَا بِنِي فُلَانٍّ ، يَا بِنِي فُلَانٍّ، يَا بِنِي فُلَانٍّ ، يَا بِنِي عَبد مَنَافٍ، يَا بني عَبد الْمُطَّلِب**)--"یا بنی فلاں یا بنی فلاں یا بنی عبد مناف یا بنی عبد المطلب" جب لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا--(**أَرَأَيْتَكُمْ لَأَخْبرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ بِسَفْحِ هذَا الْجَبلِ، أَكُنْتُمْ مُصَدقِيَ؟**)--اگر میں تم لوگوں سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے (دشمن کے) گھوڑے موجود ہیں تو کیا تم میری بات مان لوگے؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کی زبان سے کبھی جھوٹ نہیں سنا۔ اس پر آپ ﷺ نے کہا --(**فَإِنِي نَذِيرلَكُمْ بيْن يَديْ عَذَابٍ شَديد**)--**تو میں آپ لوگوں کو ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں**۔ اس پر ابو لہب نے کہا کہ محمد تو ہلاک ہو جائے کہ تم نے ہمیں اس کام کے لئے بلایا ہے۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وحی نازل کی کہ ابو لہب کے دونوں ہاتھ برباد ہو جائیں اور وہ خود بھی برباد ہو جائے۔

• اسی طرح احمد بن یحیی بن جابر بن داؤد بلاذری (متوفی 279ھ) اپنی کتاب **"جمل من انساب الاشراف"** میں بیان کرتے ہیں کہ محمد بن سعد اور ولید بن صالح نے محمد بن عمر واقدی سے، ابن ابی سبرۃ سے، عمر بن عبد اللہ سے، جعفر بن عبد اللہ بن ابی الحکم سے بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی--(**وأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ**)--**اور ڈراؤ (اے محمد) اپنے**

قریبی رشتے داروں کو(الشوریٰ-214) تو آپ ﷺ نے اس سے مضبوطی پکڑی، آپ کا دل اپنی کمزور پوزیشن کی وجہ سے کچھ تنگ ہوا، آپ نے بنی عبد المطلب کو دعوت پر بلایا، وہ سب 45 آدمی تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے انہیں ایک اور دعوت پر بلایا اور آپ ﷺ نے کہا:--(**الْحَمْدُ لِلهِ أَحْمَدهُ، وأَسْتَعِينُوُ وأوَمَنُ بہ وأتوكُلُ عَلَيْہِ، وأَشْهد أَنْ لا إِلَہَ إلا اللہُ وحَدَہُ لا شَرِيكَ لَہُ**)--**میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اور اسی سے مدد طلب کرتا ہوں میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور اسی پر اپنا یقین رکھتا ہوں اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں ہے جس کی عبادت کی جائے اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جاسکتا ہے۔**

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:--(**إِنَّ الرَائِدَ لا يكْذِبُ أَهْلَه وَاللهِ لَىْ كَذَبْت النَّاسَ جَمِيعا، مَا كَذَبْتكُمْ. وَلَىْ غَرَرْتُ النَّاسَ، مَا غزرتكم وَاللهِ الَذِي لا إِلَهَ إِلا هُو، إِنِ لَرَسُولُ اللهِ إِلَيكْمْ خَاصَّةً وَإِلَى النَّاسِ كَافَّةً. وَاللهِ، لَتمُوتنَ كَمَا تنَّامُونَّ، وَلَتبْعَثُنَ كَمَا تستيقْظُونَّ، وَلَتحَاسَبُنِ بِمَا تعْمَلُونَّ، وَلَتجْزَوُنَّ بِالإِحْسَانِّ إِحْسَانًا وَبِالسوءِسوءا. وَإِنَهَا لَلْجَنَّةُ أَبَدًا، وَالنَّارُ أَبَدًا. وَأَنْتمْ لأَوَلُ مَنْ أُنْذِرُ**)--**ایک رہنما اپنے لوگوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا، میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں اگر میں تمام لوگوں سے جھوٹ بولوں، میں تم سے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولوں گا، اگر میں لوگوں کو دھوکہ دوں، میں تم کو کبھی دھوکہ نہیں دوں گا، میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، اور میں خاص طور پر تمہاری طرف اور باقی لوگوں کے لیے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں ہو تم اسی طرح مر جاؤ گے جس طرح سوتے ہو اور پھر تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور تمہارے اعمال کا تم سے حساب لیا جائے گا اور پھر اس کے بعد یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہو گی یا پھر ہمیشہ کے لیے جہنم، اور تم پہلے لوگ ہو جنہیں میں تنبیہ کر رہا ہوں۔**

اس پر ابو طالب نے جواب دیا" ہم تمہاری مدد کرنے کو پسند کرتے ہیں، تمہاری نصیحت کو مانتے ہیں اور تمہارے الفاظ پر یقین کرتے ہیں۔ جو لوگ ادھر اکٹھے ہوئے ہیں یہ تمہارے باپ کے ہی بیٹے ہیں اور میں بھی انہی میں سے ایک ہوں اور میں وہ کام کرنے میں سب سے آگے ہوں جسے تم پسند کرتے ہو لہٰذا تم وہ کام کرو جس کو کرنے کا تمہیں حکم ہوا ہے میں ہمیشہ تمہاری حفاظت کروں گا اور تمہارا دفاع کروں گا لیکن میں عبد المطلب کا دین نہیں چھوڑ سکتا یہاں تک کہ جس طرح وہ مر گیا میں بھی مر جاؤں" اسی طرح باقی لوگوں نے بھی نرم لہجے میں بات کی لیکن ابو لہب نے کہا" اے بنی عبد المطلب میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں یہ بہت ہی بری چیز ہے، اس سے پہلے کہ دوسرے بھی یہ کام کرنا شروع کر دیں، اس کو روکا جائے، پھر اگر تم اسے ان لوگوں کے حوالے کرتے ہو تو تم ذلیل ورسوا ہو جاؤ گے اور اگر تم اس کی حفاظت کرتے ہو تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا"۔ اس پر ابو طالب نے جواب دیا **"میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اس کی حفاظت کروں گا جب تک میں زندہ ہوں"۔**

لہذا لوگوں کو اکٹھا کرنا اور ان سے خطاب کرنا عوامی کام میں سے ہی ایک ہے، جو کہ کیا گیا۔

ب: اسی طرح آپ ﷺ نے مسلمانوں کو دو قطاروں میں تقسیم کیا پہلی قطار کی قیادت عمرؓ کر رہے تھے جبکہ دوسری قطار کی قیادت حمزہؓ کر رہے تھے

ابو نعیم احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسی بن مہران الصفہانی (المتوفی:430ھ) اپنی کتاب **"حلية الاولياء و طبقات الاصفياء-نیک لوگوں کی خوبصورتی اور اچھے لوگوں کے درجات"** میں بیان کرتے ہیں کہ ابنِ عباس کہتے ہیں کہ میں نے عمرؓ سے پوچھا کہ آپ کو کس

وجہ سے الفاروق کہا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا حضرت حمزہؓ نے میرے سے تین دن پہلے اسلام قبول کیا، اس کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے میرے دل کو اسلام کے لئے کھول دیا۔ پھر میں نے اپنی بہن سے پوچھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کہاں ہیں ؟میری بہن نے جواب دیا۔ وہ الصفا پر دارابنِ ارقم میں ہیں، لہٰذا میں اس گھر کی طرف بڑھا۔۔۔ میں نے کہا" میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔" انہوں نے کہا" کہ ان الفاظ کو سننے کے بعد ایمان والوں نے خوشی سے کہا "**اللہ اکبر**" اور ان کی اونچی آواز مسجد کے باہر لوگ آسانی سے سن سکتے تھے۔ پھر میں نے کہا" اے اللہ کے رسول ہم زندہ رہیں یا مر جائیں کیا ہم حق پر نہیں ہیں" اس پر آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا--(**بلَى وَالَّذِيّ نَفْسِي بيَدِهِ، إِنَكُمْ عَلَى الْحَقِّ إِنْ مُتُمْ أَنْ حَيِيتُمْ**)-- **"میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے ہے کہ تم لوگ حق پر ہو چاہے تم مرو یا جیو"۔ اس پر** عمر نے کہا" تو پھر ہم چھپے ہوئے کیوں ہیں ؟ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا آپ کو ضرور باہر آنا چاہیے" **پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو قطاروں میں باہر آئے جن میں سے ایک کی قیادت حمزہ کر رہے تھے اور دوسرے کی قیادت میں کر رہا تھا تھا** اور یہاں تک کہ ہم مسجد (الحرام) میں داخل ہو گئے۔ بیان کیا کہ میں نے قریش اور حمزہ کی طرف دیکھا اور مجھے اس کا احساس ہوا کہ قریش اس قدر کبھی پریشان نہیں ہوئے جس قدر آج ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے "**الفاروق**" کے نام سے پکارا اور اللہ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا۔

لہذا مظاہرے نکالنا عوامی رائے عامہ ہموار کرنے کا عمل ہے تاکہ لوگوں کو حرکت میں لایا جاسکے اور ان کو اسلام کے افکار اور اسلام کے احکامات سے آگاہ کیا جاسکے۔ ان کا انعقاد اس شرط پر کیا جائے کہ ان مظاہروں کی ہم اپنے بینرز اور افکار کے ساتھ قیادت کریں کریں اور ہم ان مظاہروں میں شامل نہیں ہوتے جن کی ہم قیادت نہیں کرتے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے مارچ کی قیادت کی تو صحابہ کرامؓ نے کسی اور کی قیادت میں کسی اور تحریک میں شمولیت اختیار نہیں کی بلکہ مسلمانوں نے آپ ﷺ کی قیادت میں ہی دو قطاروں میں مارچ کیا۔

2-**لہذا اگر کوئی یہ پوچھے کہ اسلامی ریاست کو قائم کرنے کا کیا طریقہ کار ہے** ؟ کیا یہ مظاہروں کے ذریعے ہے ؟ تو ہم کہتے ہیں نہیں۔۔۔ کیا یہ لیکچرز ہیں؟ تو ہم کہتے ہیں نہیں۔۔۔ کیا یہ کانفرنس ہے ؟ تو ہم کہتے ہیں نہیں۔۔۔ اور اسی طرح کے کئی اور اعمال ہیں جو تفاعل کی اسٹیج کے درمیان عوامی رائے عامہ ہموار کرنے میں مدد فراہم کرتے ہیں لیکن یہ اسلامی ریاست کو قائم کرنے کا طریقہ کار نہیں ہے بلکہ اسلامی ریاست کا طریقہ کار جیسا کہ ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں وہی ہے اور وہ طلبِ نصرہ اور اسلامی ریاست کے قیام پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

یہی موضوع ہے اور امید ہے کہ اب یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ اس چیز میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جو کچھ ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور جو کچھ ہم کرتے ہیں، لہذا کانفرنسوں کا انعقاد، ریلیوں کو منعقد کرنا اور مظاہرے اور سیمینار کا انعقاد کرنا ریاست کے قیام کے لیے شرعی طور پر کوئی طریقہ نہیں ہے۔۔۔ یہ بات درست ہے۔۔۔ اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام اعمال تفاعل کے سٹیج کے دوران عوامی رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔۔۔ تو یہ بات

بھی درست ہے۔۔۔لہذا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے جو کچھ کتاب میں لکھا ہوا ہے اور جو کچھ ہم کرتے ہیں۔ پس ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں کتاب کو پڑھتے وقت اس کے سیاق و سباق کو لازمی مدِ نظر رکھنا چاہیے تا کہ یہ پتہ چل سکے کہ کتاب کس انداز میں لکھی گئی ہیں اور کتاب کو کھلے دماغ اور روشن سوچ کے ساتھ پڑھنا چاہیے، اللہ کی رحمت سے معاملہ بالکل واضح ہو جائے گا۔

ایک اور سوال ابھی باقی ہیں جس کو ان سوالات میں شامل نہیں کیا گیا لیکن لوگوں کے ذہن میں آسکتا ہے وہ یہ کہ جماعت نے پچھلے سالوں کے دوران کانفرنس اور مارچ کا انعقاد کیوں روک دیا ہے۔ اس کا جواب بالکل واضح ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکا ہے کہ ہم وہ اعمال نہیں کرتے جن میں ہم بڑے واضح طور پر اپنے بینرز کے ساتھ شریک نہ ہو سکیں کی اور جگہ اور وقت بھی مظاہروں کے انعقاد کے لئے مناسب ہوں تا کہ ہم اس سے جو مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ حاصل ہو سکے۔ اگر ان اعمال سے یہ ممکن ہو تو ہم ان کو کرتے ہیں ہیں ورنہ نہیں۔ جہاں تک میرے علم کی بات ہے کہ جو کوشش ہم نے ساٹھ کی دہائی میں کیں، جب بورگیبا نے یہودیوں سے مصالحت کے لیے اردن کا دورہ کیا تو ابو ابراہیم (شیخ تقی رحمہ اللہ) کے دور میں جماعت کو ایک وفد کی صورت میں منظم کیا گیا جو تقریبا ایک مارچ کی شکل اختیار کر گیا کچھ لوگوں نے ایک مارچ کی صورت میں وزیر اعظم ہاؤس کی جانب رخ کیا جب کہ بیت المقدس اور ہیبرون میں انہوں نے گورنر ہاوس کی جانب مارچ کیا۔ ہیبرون میں میں بھی ان کے ساتھ شامل

تھالہذا میں آپ کو وہی بتاتا ہوں جو میں نے دیکھا۔

حزب کے امیر نے اپنے ممبرز اور سپورٹرز کو ہیبرون شہر کی مرکزی شاہراہ پر دس بجے اکھٹا ہونے کا کہا۔ پھر ہم حکومتی مرکز کی طرف مارچ کرتے گئے جس بلڈنگ کو اب گرا دیا گیا ہے، جب ہم مزید آگے بڑھے تو سیکیورٹی چیف آگیا اور بحث و مباحثہ شروع ہو گیا۔۔۔جو بات توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ ہم مارچ تو جاری نہ رکھ سکے بلکہ ہم کاروں اور بسوں کے ذریعے بلڈنگ تک پہنچے، ہماری تعداد بہت زیادہ تھی تاہم ہم نے اپنا مقصد پورا کیا اور واپس آ گئے۔۔ لہٰذا بات یہ ہے کہ ہم ایسے اعمال کرتے ہیں جن کی قیادت ہم خود کرتے ہیں اور ہم ان کو مناسب سمجھتے ہیں۔ لیکن ایسے اعمال جن کی قیادت ہم خود نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں کنٹرول کرتے ہیں اور نہ ہی ہم انہیں نے کسی خاص صورتحال میں مناسب سمجھتے ہیں تو ہم اسے سرانجام نہیں دیتے۔

یہ اسی طرح ہی ہے کہ ایک میڈیا ہاؤس قائم کرنا، یہ ایک عوامی رائے عامہ ہموار کرنے کا ایک طریقہ کار ہے لیکن جب تک ہم اس کے قابل ہیں ہم اسے کریں گے اور اگر ہم اس کے قابل نہ ہوں تو ہم نہیں کریں گے۔ جیسا کہ کہ امیر حزب کے دور میں یہ ممکن نہیں تھا کہ پارٹی کے ترجمان کا اعلان کیا جاسکے، لہٰذا ہم نے اعلان نہیں کیا، تاہم دوسرے امیر کے دور میں انہوں نے مجھے اردن کے اندر ترجمان مقرر کیا اور میں جیل میں چلا گیا۔۔اور مشکل سے باہر آیا۔۔۔اور پھر جیل چلا گیا۔ لیکن اب ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم نے ایک سے زیادہ

میڈیا آفس بنا لیے ہیں اور یہ تمام عوامی رائے عامہ ہموار کرنے کا طریقہ کار ہے، لیکن اگر کوئی یہ پوچھے کہ میڈیا آفس کا قیام اسلامی ریاست قائم کرنے کا طریقہ کار ہے تو اس کا جواب ہو گا "نہیں"۔

تو پھر واپس اسی سوال کی طرف جاتے ہیں؛ ہم پوچھتے ہیں:

کیا تفاعل کے مرحلے کے دوران لیکچرز دینا عوامی رائے عامہ ہموار کرنے ایک طریقہ کار ہے ،اس کا جواب "ہاں" میں ہے۔

کیا تفاعل کے مرحلے کے دوران کانفرنس کا انعقاد کرنا عوامی رائے عامہ ہموار کرنے کا طریقہ کار ہے، اس کا جواب "ہاں" میں ہے۔

کیا تفاعل کے مرحلے کے دوران مظاہروں کا مکمل تیاری کے ساتھ انعقاد کرنا عوامی رائے عامہ ہموار کرنے کا ذریعہ ہے تو اس کا جواب "ہاں" میں ہے۔ اسی طرح میڈیا آفس بنانا تاکہ عوامی رائے عامہ ہموار کی جاسکے، تو اس کا جواب بھی "ہاں" میں ہے۔

لیکن اگر ہم یہ پوچھیں:

کیا لیکچرز دینا اسلامی ریاست قائم کرنے کا طریقہ ہے تو پھر جواب "نہیں" میں ہے۔

کیا کانفرنس کا انعقاد کرنا اسلامی ریاست قائم کرنے کا طریقہ ہے تو اس کا جواب "نہیں" میں ہے۔

کیا مظاہروں کا انعقاد اسلامی ریاست قائم کرنے کا طریقہ ہے تو اس کا جواب "نہیں" میں ہے۔

کیا میڈیا آفس قائم کرنا اسلامی ریاست قائم کرنے کا طریقہ ہے تو اس جواب "نہیں" میں ہے۔

لہذا اب یہ واضح ہے کہ پہلے سوالات تفاعل کے مرحلے میں انجام دیے جانے والے اعمال کے بارے میں ہیں اور دوسرے سوالات اسلامی ریاست کو قائم کرنے کے طریقہ کے بارے میں ہیں۔ یہ دو مختلف سوال ہیں اور ایک ہی سوال نہیں ہیں اور ہر ایک کا الگ جواب ہے۔ لہذا ان دونوں سوالات اور دونوں جوابات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ جس طرح یہ معاملہ بغیر کسی شک وشبہ سے واضح ہو گیا، تو جو کوئی سچ کی تلاش کرتا ہے اللہ اسے جاننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ لیکن جو لوگ باطل کے طلب گار ہیں انہیں مزید وضاحت بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ وہ باطل کے بارے میں اس لئے نہیں پوچھتے کہ وہ حق تک پہنچ سکیں کیونکہ یہ دونوں بالکل مختلف چیزیں جن کا آپس میں کوئی ملاپ نہیں ہے۔ اور اللہ اپنے معاملات پر غالب ہے لیکن بہت سارے لوگ نہیں جانتے۔

آپ کا بھائی

عطا بن خلیل ابو الرشتہ

10 شعبان 1435

بمطابق 8 جون 2014ء

ختم شد

سوال وجواب: اجماع وہ حدیث ہے جو صحابہ نے روایت نہیں کی

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہمارے فاضل شیخ، اللہ آپ کے ہاتھوں فتح نصیب کرے، آپ کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور جلد سے جلد نُصرہ اور حکمرانی سے نوازے۔ میرا ایک سوال ہے جو کہ قرآن اور سنت کے دلائل کی موجودگی میں اجماعِ صحابہؓ سے استدلال کے بارے میں ہے جیسا کہ کتاب شخصیہ جزو سوم میں ہے کہ معتبر اجماعِ صحابہ صرف وہ اجماعِ صحابہ ہے جو احکام میں سے کسی حکم کے بارے میں ہو کہ یہ حکم شرعی ہے، یہ اجماع اس بات کا انکشاف کرتا ہے کہ اس حکم کی شرعی دلیل موجود ہے مگر صحابہ نے اس حکم کو روایت کیا ہے دلیل کو روایت نہیں کیا ہے، چونکہ اجماع اس دلیل کا انکشاف کرتا ہے جسے روایت نہیں کیا گیا ہے پھر ہم قرآن اور سنت کی دلائل کی موجودگی میں اس سے استدلال کیوں کرتے ہیں ۔کتاب الاموال فی دولۃ الخلافۃ میں آیا ہے کہ بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ سنت اور اجماع صحابہ سے واجب ہے، نظامِ اجتماعی میں طلاق کے حوالے سے آیا ہے کہ اس کے جائز ہونے کی اصل کتاب، سنت اور اجماعِ صحابہ ہے، ہم قرآن اور سنت کی دلیل کی موجودگی میں اجماع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے استدلال کیوں کرتے ہیں۔ جزاک اللہ خیر، سوال کے طویل ہونے پر معذرت خواہ ہوں۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میرے لیے اچھی دعا کرنے پر اللہ آپ کی عمر میں برکت

دے، آپ کے سوال کا جواب یہ ہے:

1۔ شخصیہ جزو سوم اجماع کی تعریف میں آیا ہے کہ "۔۔۔اصولیوں کی اصطلاح میں اجماع واقعات میں سے کسی واقعے کے حکم کے بارے میں یہ اتفاق ہے کہ یہ حکم شرعی ہے۔۔۔ معتبر اجماعِ صحابہؓ صرف وہی اجماعِ صحابہ ہے جو کسی حکم کے بارے میں ہو کہ یہ حکمِ شرعی ہے، یہ اس بات کا انکشاف کرتا ہے کہ اس حکم کی شرعی دلیل موجود ہے، صحابہ نے حکم کو روایت کیا مگر دلیل کو روایت نہیں کیا)۔

2۔ یعنی صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ سیکھا اور جانا مگر رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ہمارے لیے نقل کرنے کی بجائے اسے اپنے اجماع کے واسطے سے ہمارے لیے نقل کیا، یعنی ان کا اجماع سنت کا قائم مقام ہے۔۔۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اجماعِ صحابہ دلیل کا انکشاف کرتا ہے یعنی یہ اس بات کا انکشاف کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت موجود ہے مگر اس کی نص کو ہمارے لیے روایت نہیں کیا بلکہ اجماعِ صحابہ کے ذریعے اس کے حکم کو ہم تک پہنچایا، پس اجماع سنت کی اس دلیل کا قائم مقام ہے جس کو ہمارے لیے روایت نہیں کیا گیا۔

3۔ یوں ہم جس طرح آیت اور حدیث سے استدلال کرتے ہیں یا دو احادیث سے استدلال کرتے ہیں اسی طرح ایک آیت اور اجماع صحابہ سے یا ایک حدیث اور اجماع صحابہ سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ اجماع بھی وہ حدیث ہے جس کو صحابہ نے ہمارے لیے روایت نہیں کیا بلکہ اس کے حکم کو نقل کیا جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں، چنانچہ اجماع وہ حدیث ہے جسے روایت نہیں کیا گیا۔

4۔اس امر کی طرف نظر کرنا اچھی بات ہے کہ احکام میں سے کسی حکم کے بارے میں اجماع صحابہ موجود ہے، کیونکہ اجماع صحابہ کو دوسرے دلائل کے ساتھ نقل کرنا جیسے قرآن اور سنت کے ساتھ، اس حکم کو مزید مضبوط اور موکد کرتا ہے، کیونکہ اجماع صحابہ سے ثابت حکم کو منسوخ کرنا جائز نہیں؛ اجماع رسول اللہ ﷺ کے بعد ہوا اور اسے منسوخ کرنے کے لیے دلیل چاہیے، چونکہ اجماع رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ہوا جب وحی منقطع ہو چکی تھی، اس لیے اجماع کو منسوخ کرنے کی کوئی دلیل ہی نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ کسی معین حکم پر اجماع کا وجود اس کو تاکیدی اور مضبوط کرتا ہے کیونکہ منسوخ ہونے کا احتمال ہی نہیں رہتا۔

5۔خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کے ساتھ اجماع صحابہ سے استدلال حدیث کے ساتھ دوسری حدیث سے استدلال کی طرح ہے اور زیادہ دلائل خاص کا اجماع سے استدلال حکم کو موکد اور مضبوط کرتا ہے۔

امید ہے یہ جواب کافی ہو گا اللہ ہی علم اور حکمت والا ہے۔

آپ کا بھائی

امیر حزب التحریر، عطاء بن خلیل ابو رشتہ

8 ذی الحجہ 1441

بمطابق 2020/7/29

ختم شد

سوال وجواب: سودی لین دین کرنے والے شخص سے تنخواہ وصول کرنے کا حکم

(ترجمہ)

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال عام ملازمت اور نوکریوں کے بارے میں ہے کہ جن کی دی جانے والی تنخواہ سود سے ادا کی جاتی ہے یا اس کا کوئی حصہ سود میں سے ہوتا ہے کیونکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ تنخواہ دینے والی ریاست آئی ایم ایف اور دوسرے ملکوں سے سودی قرضے لیتی ہے۔

کیا ہم ملازمین جو اپنے کام کے بدلے میں تنخواہ لیتے ہیں، وہ سود ہے یا نہیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو کیا پھر ان سے جان چھڑانے اور ان نوکریوں کے بغیر زندگی گزارنے کا کوئی راستہ ہے، ہم نے تو عمریں یہی تعلیم حاصل کرنے اور کام کرنے میں ضائع کر دیں؟ شکریہ پہلے ہی قبول کیجئے اور اللہ ہماری طرف سے آپ کو جزائے خیر دے، آپ کا بھائی عمار تیونس۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جہاں تک اس تنخواہ کی بات ہے جو عام سرکاری ملازم اپنے کام کے بدلے میں ریاست سے لیتے ہیں،

اس کا تعلق اس کے کام سے ہے:

- اگر وہ کام حرام ہے جیسے وہ مسلمانوں کی جاسوسی کے لیے انٹیلی جنس ایجنسی میں کام کرتا ہو یا اسلام کی دعوت کے علمبرداروں پر تشدد کرتا ہو وغیرہ، تو اس کی تنخواہ حرام ہے کیونکہ یہ حرام کام کے ذریعے کمائی ہے۔

- اگر وہ کام کوئی مباح کام ہو جیسے کوئی ٹیچر، انجنیئر اور سرکاری ہسپتال میں ڈاکٹر ہو یا ان جیسے کوئی بھی کام کرتا ہو تو اس کی تنخواہ مباح ہے کیونکہ یہ کام مباح ہیں، اس کو تنخواہ دینے والے چاہے جس مال سے بھی اس کو تنخواہ دیں، اسے کوئی نقصان نہیں ۔ تنخواہ دینے والے سودی معاملات کرتے ہوں یا جائز، اس کے لیے اپنے کام کے بدلے تنخواہ لینا جائز ہے سوائے اس کے کہ اس کی تنخواہ چوری شدہ مال یا غصب کیے ہوئے مال یا اس مال سے جس کی عین ہی حرام ہو جیسے خنزیر یا شراب، سے ادا کی جائے، ایسی تنخواہ حرام ہے اس کی تفصیل یوں ہے:

حرام اموال کی درج ذیل اقسام ہیں:

حرام لِعَيْنِه۔۔۔وہ جو بذاتِ خود حرام ہے جیسا کہ شراب ۔اس میں سے ہدیہ لینا، اجرت لینا، اس کی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں۔ یہ شراب والے کے لیے بھی حرام ہے اور اس کے لیے بھی جو اس سے شراب لیتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «حُرِّمَتِ الْخَمْرُ بِعَيْنِهَا» "شراب کی حرمت اس کے عین کے ساتھ ہے" النسائی۔ کسی دوسرے آدمی کا حق ہونے کی وجہ سے کسی مال کا حرام ہونا، یعنی چوری شدہ یا غصب کردہ مال، یہ چوری کرنے والے یا

غصب کرنے والے کے لیے حرام ہے، اس مال کا ہدیہ بھی جائز نہیں۔ یہ مال جس کے پاس ہے اس کا حق ہی نہیں، یہ اس کو کمانے والے کے لیے بھی حرام ہے اور لینے والے کے لیے بھی۔ یہ مال جہاں پایا جائے اس کے مالک کا ہی ہے اس کے دلائل یہ ہیں:

احمد نے سمرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:«إِذَا سُرِقَ مِنَ الرَّجُلِ مَتَاعٌ، أَوْ ضَاعَ لَهُ مَتَاعٌ، فَوَجَدَهُ بِيَدِ رَجُلٍ بِعَيْنِهِ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ، وَيَرْجِعُ الْمُشْتَرِي عَلَى الْبَائِعِ بِالثَّمَنِ» "کسی آدمی کا مال چوری کیا گیا یا اس کا مال کھو گیا، پھر یہ اس نے یہ مال بعینہ کسی آدمی کے پاس پایا تو یہی اس کا حقدار ہے اسے بیچنے والا خریدنے والے کو قیمت واپس کرے گا"۔ یہ اس بارے میں نص ہے کہ کہ چوری شدہ مال مالک کو واپس کیا جائے گا۔

اسی طرح غصب شدہ مال کا معاملہ ہے، غصب کرنے والے کے لیے وہ مال اس شخص کو واپس کرنا لازمی ہے جس سے اس نے غصب کیا تھا۔ ترمذی نے سمرہ سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حسن حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا :«عَلَى اليَدِ مَا أَخَذَتْ حَتَّى تُؤَدِّيَ» "لینے والے کو جو کچھ لیا ہے واپس دینا پڑے گا"۔

باطل معاملات کی وجہ سے حرام جیسے سود اور جوئے کا مال۔۔۔اگر کسی شخص کے پاس سودی اور حلال مال مخلوط طور پر ہو تو اس میں سے صرف سود کا مال کمانے والے کے لیے حرام ہے باقی حلال ہے، یہ حرام اس شخص تک نہیں پہنچتا جس نے سود یا جوئے والے سے جائز طریقے سے کچھ کمایا جیسے کوئی سودی لین دین کرنے والے شخص کو کوئی چیز بیچ کر اس کی قیمت

وصول کرے یا عورت سود خور سے اپنا نفقہ وصول کرے یا یہی سود خور کسی رشتہ دار کو ہدیہ دے، یا اس جیسا کوئی جائز لین دین کرے، اس مال کا گناہ اس سودی لین دین کرنے والے پر ہے، اپنی چیز کی قیمت لینے والے یا نفقہ لینے والی یا ہدیہ قبول کرنے والے پر نہیں، کیونکہ اس حال میں حرام دو بندوں کے ذمے نہیں ہوتا اس کے دلائل یہ ہیں:

1۔ ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ "آدمی جو بھی کرتا ہے اس کا وبال صرف اسی پر ہے کوئی بوجھ اٹھانے والے کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔

2۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں یہود کے ساتھ تجارت کرتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے زیادہ تر اموال سود سے کمائے ہوئے تھے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا* وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ "یہود کے ظلم، اللہ کی راہ سے بہت زیادہ روکنے، سود لینے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے اموال باطل طریقے سے کھانے کی وجہ سے ہم نے ان پاک چیزوں کو ان پر حرام کر دیا جو ان کے لیے حلال تھیں"۔ آپ ﷺ ان سے ہدیہ قبول کرتے تھے جیسا کہ احمد نے ابنِ عباسؓ سے روایت کی ہے کہ: "ایک یہودی عورت نے نبی ﷺ کو ایک پوری بکری (گوشت) ہدیہ کی جس میں زہر ملایا تھا، آپ ﷺ نے اس عورت کو پیغام بھیجا کہ "تم نے ایسا کیوں کیا؟" اس نے کہا: میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اگر آپ واقعی نبی ہو تو اللہ آپ کو بتادے گا، اگر نہیں تو لوگوں کی جان چھوٹ جائے گی"۔

3۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین سے ثابت ہے کہ انہوں نے سودی لین دین کرنے والے سے ہدیہ قبول کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

ا۔ ایک شخص ابن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا: میرا ایک پڑوسی ہے جو سودی لین دین کرتا ہے اور وہ مجھے بار بار دعوت دیتا ہے آپ نے فرمایا: "اس کا وبال اس پر ہے اور مزہ تمہارا ہے" اس کو عبد الرزاق صنعانی نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے۔

ب۔ حسن بصری سے پوچھا گیا کہ صیارفہ (صرافوں / منی چینجرز) کا کھانا کھانا جائز ہے؟ فرمایا: "اللہ نے تمہیں یہود و نصاری کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ سود کھاتے ہیں اور ان کے کھانے کو تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے" اس کو عبد الرزاق صنعانی نے اپنے منصف میں معمر سے روایت کیا ہے۔

ج۔ منصور سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابراھیم سے کہا: میں ایک مزدور کے گھر گیا، اس نے میری دعوت کی اور مجھے پیسے پیش کیے۔ ابراھیم نے کہا: "لے لو"، لہٰذا منصور نے کہا: یہ مزدور سود لیتا ہے۔ ابراھیم نے کہا: "اگر تم اسے سودی لین دین کا حکم نہیں دیتے یا اس میں مدد نہیں کرتے تو لے لو" (اس کو عبد الرزاق صنعانی نے اپنے مصنف میں معمر سے روایت کیا ہے)

4۔ اس سب کے باوجود افضل یہ ہے کہ اس شخص کے ساتھ لین دین نہ کیا جائے جس کے مال میں سود شامل ہو، اسے نہ کچھ بیچا جائے اور نہ اس کا ہدیہ قبول کیا جائے تاکہ فروخت کرنے والا اپنے سامان کی ایسی قیمت وصول نہ کرے جو سود میں ملوث ہو، نہ ہی اس کے سودی اموال میں

سے ہدیہ قبول کیا جائے کیونکہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ مسلمان کو ہر اس چیز سے دور رہنا چاہیے جو بالکل صاف اور پاک نہ ہو، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ حرام سے بچنے کے لیے بہت سارے مباح چیزوں سے بھی اجتناب کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ:" بندہ اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک ان چیزوں سے بچنے کے لیے جن میں حرج ہے ان چیزوں کو بھی ترک نہ کرے جن میں حرج نہیں" اس کو ترمذی نے روایت کیا اور حسن قرار دیا ہے۔

خلاصہ :اس شخص کو کچھ بیچنا جائز ہے جس کا مال سود اور حلال دونوں سے مخلوط ہے، اس کا ہدیہ بھی قبول کرنا جائز ہے، اس شخص سے اپنی تنخواہ لینا بھی جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ اس سے لین دین نہ کیا جائے، اس کا ہدیہ قبول نہ کیا جائے، اس کے پاس کام نہ کیا جائے نہ ہی اس سے تنخواہ لی جائے، اسی لیے عام ملازمتیں لینا مباح ہے اس شخص سے تنخواہ لینا مباح ہے جس کا مال حلال اور سود دونوں کا مجموعہ ہو یہ تنخواہ مباح ہے اس کو لینے میں کوئی حرج نہیں۔۔۔اس سود کا گناہ اس ملازم پر نہیں بلکہ لین دین کرنے والے پر ہے اس کا وبال ملازمت کرنے والے پر نہیں۔

امید ہے یہ جواب کافی ہے اللہ ہی زیادہ علم والا حکمت والا ہے

آپ کا بھائی عطاء بن خلیل ابو رَشتہ

9ذوالقعدۃ، 1441ہجری

30/6/2020

ختم شد

مہم :صرف خلافت ہی مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لیے افواج پاکستان کو حرکت میں لائے گی

#KhilafahWillLiberateKashmir

خلافت کے داعیوں نے پاکستان میں خلافت کے قیام کے مطالبے کی ملک گیر مہم شروع کی ہے جو کشمیر کی آزادی کے لیے افواج کو حرکت میں لائے گی۔ مقبوضہ کشمیر کے مسلمان مودی کی ہندو افواج کے گھیراؤ کے فتنے کا سامنا کرتے ہوئے دوسرے سال میں داخل ہو گئے ہیں جو ان کے جسموں کو پیلٹ گنوں کے چھروں سے چھلنی، پاک دامن مسلمان بہنوں کی بے حرمتی اور جوان و بوڑھے مردوں کو شہید کررہے ہیں۔ اس انتہائی تکلیف دہ صورتحال میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حکم دشمن سے لڑنے کا ہے ، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ"اور ان کو جہاں پاؤ قتل کردو اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو)**"البقرۃ،(191 ۔

پاکستان کے حکمرانوں کی جانب سے دکھائی جانے والی ایک سال سے زائد کی غفلت سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ جمہوریت، جو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی پر مبنی نظام ہے، کبھی بھی ہماری قابل اور لڑنے کے لیے تیار افواج کو حرکت میں نہیں لائے گی۔ پاکستان کے حکمرانوں نے نا صرف پاکستان کی افواج کو شہادت اور کامیابی کے شرف کو حاصل کرنے سے روک رکا ہے بلکہ انہوں نے جہاد کو ناانصافی اورکشمیریوں سے دشمنی سے تعبیر کر کے جنگ لڑنے کے قابل تمام مسلمانوں کو بھی اس شرف کو حاصل

کرنے سے روک دیا ہے۔ واشنگٹن میں بیٹھے اپنے آقاؤں کے احکامات ملنے کے بعد عمران خان نے 18 ستمبر 2019 کو کہا تھا،" پاکستان میں جو بھی کشمیر میں لڑنا چاہتا ہے یا جہاد کے لیے کشمیر جانا چاہتا ہے تو وہ کشمیریوں کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی کرے گا۔۔۔جس کسی نے بھی کوئی ایسی کوشش کی تو وہ پاکستان کے ساتھ ساتھ کشمیریوں کا بھی دشمن ہو گا"۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں صرف وہی ریاست افواج کو حرکت میں لائے گی جو ہر چیز سے بڑھ کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کو اہمیت دیتی ہو، اور ایسی ریاست صرف نبوت کے نقش قدم پر قائم خلافت ہوتی ہے۔ جہاد مسلم امت کا زیور ہے اور امت جنت کے حصول کے لیے اپنی جان و مال کو قربان کر دیتی ہے، ظالم کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نام کو بلند کرتی ہے۔ خلافت امت کا تاج ہے جو اسلام کی دعوت کی علم بردار ہوتی ہے، اسلام کے نفاذ کے لیے نئے نئے علاقے کھولتی ہے اورہر اس دشمن کو بھاگنے پر مجبور کرتی ہے جس نے مسلمانوں کی سرزمین پر قبضہ کیا ہو۔

اے پاکستان کے مسلمانو !خلافت کے داعیوں نے ملک گیر مہم شروع کی ہے جس میں خلافت کی بحالی کا مطالبہ کیا جارہا ہے، جو پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں جہاد کا آغاز کرے گی۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم خلافت کے داعیوں کی مکمل حمایت کریں جو اس وقت لوگوں سے عوامی مقامات اور نجی محفلوں میں بااثر افراد سے خطاب کررہے ہیں اور سوشل میڈیا پر بھی اس مہم کو چلا رہے ہیں۔ ہم سب پر لازم

ہے کہ ہم خلافت کے دوبارہ قیام کے لیے اس جدوجہد کا حصہ بن جائیں تا کہ ہمارے معزز افسران و سپاہی بالآخر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے آزاد چھوڑ دیے جائیں۔

اے افواج پاکستان میں موجود مسلمانو ! یہ محرم الحرام کا مہینہ ہے، وہ مقدس مہینہ جس سے ہمارے اسلامی کیلنڈر، ہجری، کی ابتداء ہوتی ہے۔ آپ کے عظیم آباؤاجداد، انصار مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کو نصرۃ فراہم کی تھی تا کہ آپ ﷺ ہجرت فرما کر اسلام کی حکمرانی کی ابتداء فرمائیں۔ مدینہ میں اسلامی ریاست کی قیام کے بعد ہی انصار نے دشمنوں کے خلاف ایک کے بعد ایک کامیابی حاصل کی، اور امت کے لیے اس راہ کا تعین کر دیا جس پر چل کر اُس نے کئی صدیوں تک اسلام کی بالادستی کو برقرار رکھا۔ اب اسلام کی بالادستی کے نئے دور کا انتظار ہے۔ اور وہ نیا دور اُس وقت شروع ہو گا جب آپ نبوت کے نقش قدم پر خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نصرۃ فراہم کریں گے۔ حزب التحریر آپ سے مطالبہ کرتی ہے کہ آپ اپنی ذمہ داری ادا کریں، لہٰذا اس پکار کا جواب دیں!

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

ختم شد

صرف خلافت ہی پاک فوج کو
کشمیر کی آزادی
کے لیے متحرک کرے گی

عمر عثمان یونیفارم
MOGHAL
WEAR INN

نصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا، جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امتِ کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امتِ مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالی نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ ﷺ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے ان کی حمایت و نصرت طلب کریں۔ پس آپ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نُصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی، بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفہ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کو پورا کر دیں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **"ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ"** پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)